عالمی مجلس تحفظ ختم نبوۃ کا ترجمان

ہفت روزہ ختم نبوۃ

INTERNATIONAL URDU WEEKLY KHATM-E-NUBUWWAT KARACHI PAKISTAN

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ

جلد: ۴۱ | ۱۴ تا ۲۰ رجب المرجب ۱۴۴۳ھ مطابق ۱۶ تا ۲۲ فروری ۲۰۲۲ء | شمارہ: ۷

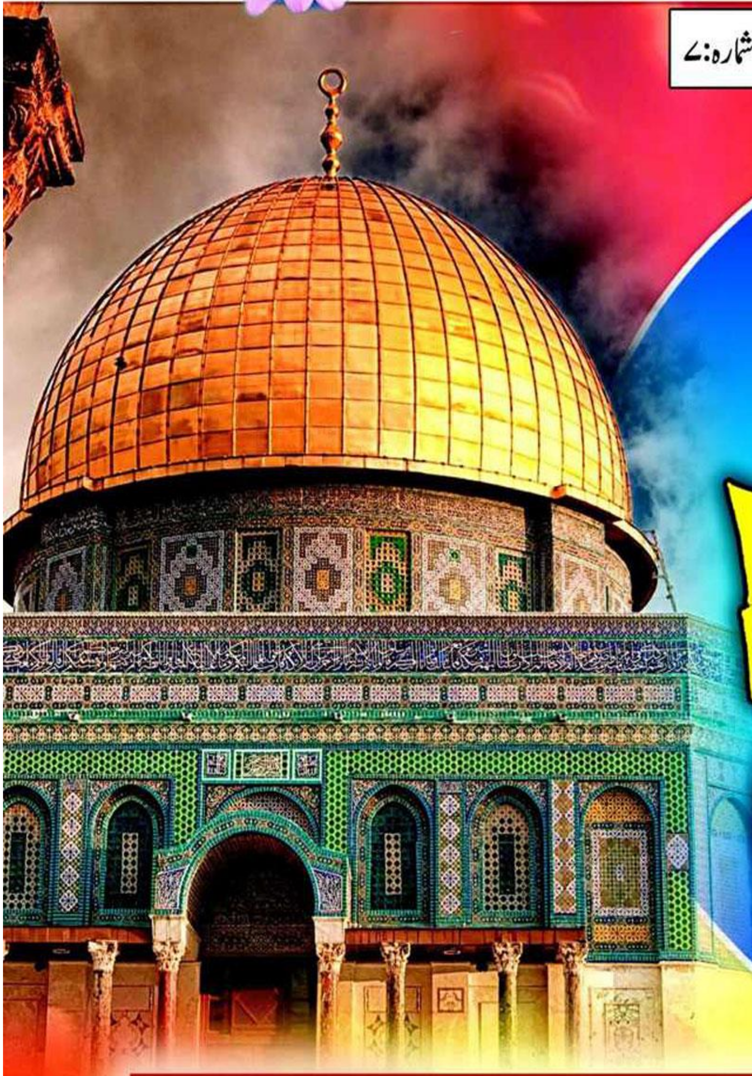

سفر معراج

واقعات مشاہدات

قادیانیت کا اصل چہرہ

Website: http://www.khatm-e-nubuwwat.info
http://www.khatm-e-nubuwwat.com
Website: http://www.khatm-e-nubuwwat.org
Email: editorkn@yahoo.com

قبر میں اضطراب اور پریشانی

س:...... میرے شوہر کا انتقال ہو چکا ہے، بعض سسرالی جھگڑوں کی وجہ سے میں اپنے شوہر سے شادی کے ایک سال بعد علیحدہ ہوگئی تھی یعنی میں اپنے والدین کے گھر اور میرے شوہر اپنے والدین کے گھر، ہمارا ایک بیٹا ہے جو میرے والدین کے گھر پیدا ہوا ہے، میں نے بہت چاہا کہ میرا گھر آباد ہو جائے مگر ساس، نندوں اور دیوروں کی وجہ سے میرا گھر آباد نہیں ہوسکا اور اس طرح دس سال گزر گئے، اب میرے شوہر کا انتقال ہوگیا ہے، میرے شوہر نے دور رہتے ہوئے نہ ہی میرا کوئی حق ادا کیا اور نہ اپنے بیٹے کا کوئی حق ادا کیا، نہ کبھی انہوں نے میرا نان نفقہ دیا اور نہ کبھی بچے کا کوئی خرچہ دیا، بچے کی پیدائش سے لے کر آج تک سارا خرچہ میرے والدین کر رہے ہیں۔ میرے بیٹے کی عمر اس وقت بارہ سال ہے، مسئلہ یہ ہے کہ شوہر کے انتقال کے بعد میرے سسرال والے میرے بیٹے کا جو حق بنتا ہے وہ نہیں دے رہے ہیں۔ کہتے ہیں کہ دیں گے مگر عملی قدم کوئی نہیں اٹھاتا، میری ساس کا صرف ایک ہی پوتا ہے جو کہ میرا بیٹا ہے، باقی سب پوتیاں ہیں۔ خواب میں مجھے اپنے شوہر نظر آئے جو کہ مجھ سے معافیاں مانگ رہے تھے اور اپنے بیٹے سے بھی معافی مانگ رہے تھے، چہرہ ان کا ایسا نظر آیا جیسے کہ جگہ جگہ سے کسی نے کھایا ہے اور انہیں ایک پل بھی سکون نہیں ہے، قبر میں کبھی اٹھتے ہیں، کبھی لیٹتے ہیں جیسے کہ بہت تکلیف میں ہیں اور اپنے بیٹے سے کہہ رہے ہیں کہ: ”بیٹا! میں تمہارا کوئی فرض، کوئی حق نہیں نبھا سکا جس کے لئے تم مجھے معاف کر دینا اور تمہارا جو بھی حق ہے وہ میری والدہ تمہیں دیں گی، مجھے بتائیے کہ اس خواب کی کیا تعبیر ہے اور میں کیا کروں کہ میرے شوہر کو قبر میں سکون مل جائے اور اللہ تبارک وتعالیٰ انہیں معاف کر دے؟

ج:...... اس خواب کی تعبیر واضح ہے کہ اس کو اپنے اس ظلم کی وجہ سے قبر میں اضطراب اور پریشانی ہے، آپ اس کو معاف کر دیں اور مرحوم کے والدین کو چاہئے کہ اس کی قبر اور آخرت اچھی کرنے کے لئے یتیم اور بیوہ کا حق فوراً ادا کر دیں ورنہ وہ مرحوم عذاب میں مبتلا رہے گا۔

کھانے پینے کے برتن کو ڈھکنا

س:...... حدیث پاک میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدایت کی ہے کہ ”رات کے وقت اپنے مشکیزے کا منہ بند کر دو“ آج کل جب کہ ہم پینے کے لئے پانی پکاتے ہیں تو پانی کو ٹھنڈا کرنے کے لئے جالی والا برتن ڈھکنا پڑتا ہے، ورنہ پانی ٹھنڈا نہیں ہوتا، موسم گرم ہو تو یوں بھی پانی ٹھنڈا ہونے میں بہت دیر لگتی ہے، اس حدیث کی رو سے بتائیں کہ ہم کیا طرز عمل اختیار کریں کہ پانی بھی ٹھنڈا ہو جائے اور ہم محفوظ بھی رہیں۔

ج:...... یہ حدیث شفقت علی الخلق کے قبیل سے ہے، مقصد یہ ہے کہ برتن کھلا چھوڑنے کی صورت میں اس پر کسی زہریلی چیز کے داخل ہونے اور گرنے کا اندیشہ ہے، اس لئے اس کو بند کر کے رکھا جائے۔ چنانچہ اگر برتن پر کوئی ایسی چیز رکھ دی جائے جس سے وہ خارجی اثرات سے محفوظ ہو جائے تو جائز ہے اور اس حدیث پر عمل ہو جائے گا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

ہفت روزہ ختمِ نبوّۃ

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت

مجلس ادارت

صاحبزادہ مولانا عزیز احمد، علامہ احمد میاں حمادی،
مولانا محمد اسماعیل شجاع آبادی، مولانا قاضی احسان احمد

جلد:۴۱ ۱۴تا۲۰ررجب المرجب ۱۴۴۳ھ مطابق ۱۶تا۲۲رفروری ۲۰۲۲ء شمارہ:۷

اس شمارے میں!

دہشت گردی اور عصبیت کی تازہ لہر	۴	محمد اعجاز مصطفیٰ
سفرِ معراج.... واقعات ومشاہدات	۶	مولانا محمد قاسم
تحمل وبرداشت.... اعلیٰ انسانی اقدار	۱۰	مولانا عبدالرشید طلحہ نعمانی
تقویٰ وپرہیزگاری	۱۳	ڈاکٹر آسی خرم جہانگیری
حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ	۱۵	مولانا محمد اسماعیل ریحان
قادیانیت کا اصل چہرہ	۱۸	جناب مجید نظامی مرحوم
امریکی نژاد قادیانیوں کے پاکستان میں قتل....	۲۱	جناب ساجد غنی اعوان
مفسر القرآن حضرت مولانا عبدالعزیز شجاع آبادیؒ	۲۴	مولانا محمد اسماعیل شجاع آبادی
تحفظ ختم نبوت کانفرنس، مانگا منڈی لاہور	۲۷	رپورٹ: مولانا عبدالنعیم

سرپرست

حضرت مولانا حافظ ناصرالدین خاکوانی مدظلہ
مولانا سیّد سلیمان یوسف بنوری

مدیر اعلیٰ

مولانا عزیز الرحمٰن جالندھری

نائب مدیر اعلیٰ

مولانا محمد اکرم طوفانی

مدیر

مولانا محمد اعجاز مصطفیٰ

معاون مدیر

عبداللطیف طاہر

قانونی مشیر

حشمت علی حبیب ایڈووکیٹ
منظور احمد میؤ ایڈووکیٹ

سرکولیشن منیجر

محمد انور رانا

تزئین وآرائش:

محمد ارشد خرم، محمد فیصل عرفان خان

بنیاد

امیر شریعت مولانا سیّد عطاء اللہ شاہ بخاریؒ
خطیب پاکستان مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ
مجاہد اسلام حضرت مولانا محمد علی جالندھریؒ
مناظر اسلام حضرت مولانا لال حسین اخترؒ
محدث العصر حضرت مولانا سیّد محمد یوسف بنوریؒ
خواجہ خواجگان حضرت مولانا خواجہ خان محمدؒ
فاتح قادیان حضرت اقدس مولانا محمد حیاتؒ
مبلغ اسلام حضرت مولانا عبدالرحیم اشعرؒ
مجاہد ختم نبوت حضرت مولانا تاج محمودؒ
ترجمان ختم نبوت مولانا محمد شریف جالندھریؒ
جانشین حضرت بنوری حضرت مولانا مفتی احمد الرحمٰنؒ
شہید اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ
حضرت مولانا سیّد انور حسین نفیس الحسینیؒ
شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالمجید لدھیانویؒ
شہید ختم نبوت حضرت مولانا مفتی محمد جمیل خانؒ
شہید ناموس رسالت مولانا سعید احمد جلال پوریؒ

زرتعاون

امریکا، کینیڈا، آسٹریلیا: ۱۰۰ڈالر یورپ، افریقہ: ۸۰ڈالر، سعودی عرب،
متحدہ عرب امارات، بھارت، مشرق وسطی، ایشیائی ممالک: ۷۰ڈالر
فی شمارہ ۱۵روپے، ششماہی: ۳۵۰روپے، سالانہ: ۷۰۰روپے

WEEKLY KHATM-E-NUBUWWAT, A/c# 0010010964680019
(انٹرنیشنل بینک اکاؤنٹ نمبر) IBAN NO. PK68ABPA0010010964680019
AALMIMAJLISTAHAFFUZKHATM-E-NUBUWWAT 0010010964710018
(انٹرنیشنل بینک اکاؤنٹ نمبر) IBAN NO. PK45ABPA0010010964710018
Allied Bank Binori Town Branch Code: 0159 Karachi.

رابطہ دفتر: جامع مسجد باب الرحمت (ٹرسٹ)
ایم اے جناح روڈ کراچی، فون: ۳۲۷۸۰۳۳۷ فیکس: ۳۲۷۸۰۳۴۰
Jama Masjid Bab-ur-Rehmat (Trust)
Old Numaish M.A.Jinnah Road Karachi
Ph:32780337, Fax:32780340

مرکزی دفتر: حضوری باغ روڈ، ملتان
فون: ۰۶۱-۴۷۸۳۴۸۶
Hazori Bagh Road Multan
Ph:061-4783486

لندن آفس:
35,Stockwell Green
London, SW9 9HZ U.K
Ph:0207-737-8199

ناشر: عزیز الرحمٰن جالندھری مطبع: القادر پرنٹنگ پریس طابع: سیّد شاہد حسین مقام اشاعت: جامع مسجد باب الرحمت ایم اے جناح روڈ کراچی

اداریہ

محمد اعجاز مصطفیٰ

دہشت گردی اور عصبیت کی تازہ لہر

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للّٰہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

امریکا، اسرائیل اور بھارت، یہ ایک تکون ہے، جس کا ایجنڈا صرف اور صرف مسلمانوں کے خلاف نفرت کے جذبات پھیلانا، مسلمانوں کو تہہ تیغ کرنا اور ان کو معاشی، معاشرتی اور تہذیبی طور پر نقصان پہنچانا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امریکا نے اپنے حواریوں سمیت کئی ایک اسلامی ممالک کے مسلمانوں کو قتل کیا، بم برسائے اور افغانستان سے ذلت آمیز شکست سے دوچار ہونے کے بعد اس شکست کا بدلہ پاکستان سے لینے کے لئے اس کے اردگرد شکنجہ کس رہا ہے۔ پاکستان کو معاشی طور پر مفلوج کرنے کے لئے پہلے سی پیک منصوبہ کو اپنے حواریوں اور ایجنٹوں کے ذریعہ سبوتاژ کیا، پھر آئی ایم ایف کے ذریعہ پاکستانی اسٹیٹ بینک پر قبضہ کرلیا۔ ادھر اسرائیلی صدر اسحاق ہرزوگ اپنی بیوی کے ہمراہ متحدہ عرب امارات جاتے ہوئے جب ان کا طیارہ سعودی عرب کی فضائی حدود سے گزر رہا تھا تو پائلٹ نے اعلان کیا کہ اب ہم سعودی عرب کی فضاؤں میں داخل ہوگئے ہیں، یہ ایک تاریخ رقم ہوگئی، یہ سن کر اسرائیلی صدر فرطِ مسرت سے کاک پٹ میں داخل ہوگیا اور پائلٹ اسے نقشے کے ساتھ نیچے سعودی زمین دکھلاتا ہے اور کہتا ہے کہ عن قریب اس (سعودیہ) کے دارالحکومت (ریاض) پر بھی ہمارا تسلط ہوجائے گا۔ ترک میڈیا کے مطابق طیارے میں گفتگو کی یہ ویڈیو اسرائیلی صدر کے دفتر نے جاری کی ہے۔ ان کا حواری اور لے پالک بھارت بھی کبھی اپنے ملک میں رہنے والی مسلمان خواتین کو بیچنے کے اعلانات کرتا ہے اور کبھی اسکولوں میں مسلمان بچوں کے نماز پڑھنے پر پابندی کے اعلانات کراتا ہے اور کہیں بچوں نے اسکول میں نماز پڑھ لی تو مودی سرکار کے پالتو غنڈے وہاں پہنچ کر نماز کی اجازت دینے والے ماسٹرز کو نوکری سے نکلوادیتے ہیں، ادھر برطانیہ کے بارہ میں بھی اخبارات میں رپورٹ چھپی ہے کہ برطانیہ میں سب سے زیادہ نفرت آمیز سلوک مسلمانوں سے روا رکھا جاتا ہے، بہرحال ’’الکفر ملة واحدة‘‘ کے مصداق تمام کفار اس بات پر متحد ہوگئے ہیں کہ مسلمانوں کے خلاف یلغار کی جائے، خصوصاً پاکستان کو غیر مستحکم کرنے کے لئے یہ سب یک جان و یک زباں ہوچکے ہیں، حالانکہ دنیا جانتی ہے کہ جنگ، دھماکے، انتشار اور خلفشار یہ کسی مسلمان ملک کی ضرورت نہیں، بلکہ ایک عرصہ سے اسلامی ممالک بیرونی طاقتوں اور ان کے آلۂ کاروں کی دہشت گردی کا مورد بنے ہوئے ہیں، خصوصاً نائن الیون کے بعد پاکستان کو بیرونی استعمار نے ہدف پر رکھا ہوا ہے کہ کسی طور پر پاکستان میں امن نہ آسکے، حالانکہ افغانستان پر مسلط کردہ جنگ میں پاکستان کے ستر ہزار سے زائد افراد دہشت گردی کے نام پر بھینٹ چڑھائے گئے، لیکن بیرونی ایجنٹوں اور ان کے اشاروں پر ناچنے والوں کو ابھی تک سکون نہیں آیا۔

پاکستان میں تخریبی کارروائیاں کرتے ہوئے پہلے اسلام آباد میں دہشت گردی کی گئی، اس کے بعد لاہور میں بم دھماکا کیا گیا، جس میں تین افراد شہید اور کئی زخمی ہوگئے، اس کے بعد ایران سے متصل بلوچستان کے ضلع کیچ میں دہشت گردوں کے حملہ میں فورسز کے ۱۰ جوان شہید ہوگئے۔ آئی ایس پی آر کے مطابق کیچ کے علاقہ میں ۲۵ اور ۲۶ / جنوری کی درمیانی رات دہشت گردوں نے چیک پوسٹ پر حملہ کیا، جس کے نتیجہ میں دس فوجیوں نے جامِ شہادت نوش کیا، فائرنگ کے تبادلہ میں ایک دہشت گرد مارا گیا اور کئی زخمی ہوئے، جب کہ کلیئرنس آپریشن کے دوران ۳ دہشت گردوں کو گرفتار کیا گیا۔

اس طرح چمن کے علاقہ احمد ناکہ پر نامعلوم افراد کی فائرنگ سے لیویز اہلکار شہید ہوگیا۔ لیویز حکام کے مطابق سپاہی محمد نعیم عشیزئی کالج روڈ پر ملحقہ صادق ادوزئی اسٹریٹ میں حاجی احمد ناکہ پر ڈیوٹی دے رہا تھا کہ اس دوران موٹر سائیکل سوار نامعلوم دہشت گردوں نے ناکے پر اندھا دھند فائرنگ کی، جس سے وہ موقع پر شہید ہوگئے۔ اسی طرح پولیس ذرائع کے مطابق ساچان کرکٹ گراؤنڈ بلومند میں جمعرات کی شام پانچ بجے کرکٹ میچ چل رہا تھا کہ دو موٹر سائیکلوں پر سوار چار افراد نے آکر ٹیم کے کیپٹن آدم شاہ ولد مراد پر فائرنگ کر دی، جس سے وہ موقع پر جاں بحق ہوگیا۔

یہ تینوں دہشت گردی کے واقعات صرف ایک دن اور صرف ایک صوبہ بلوچستان کی زمین پر پیش آئے، جب کہ دوسرے دن ۲۹/جنوری ۲۰۲۲ء بروز ہفتہ ڈیرہ بگٹی میں بارودی سرنگ کے دھماکے میں ۳ لیویز اہلکار اور امن فورس کا ایک رضا کار شہید ہوگئے، جبکہ ۹ افراد زخمی ہوئے۔ سوئی کے علاقے موندرانی مٹ میں دہشت گردوں نے امن فورس کمانڈر کا سولر سسٹم تباہ کیا، لیویز جائزہ لینے پہنچی تو دھماکا ہوگیا، جس کے بعد بھگدڑ مچ گئی۔ فورسز نے موقع پر پہنچ کر لاشوں اور زخمیوں کو ہسپتال منتقل کیا۔ اسی طرح اسی دن کوئٹہ میں ذاتی رنجش کی بنا پر ۴ افراد کو قتل کیا گیا۔ ان حالات کو سامنے رکھتے ہوئے کیا کہا جائے کہ ملک میں کوئی حکومت اور حفاظت پر مامور سیکورٹی ایجنسیاں موجود ہیں؟ یا یہ ملک لاقانونیت اور افراتفری کی آماج گاہ ہے کہ جس کا جو دل چاہے وہ اس میں کرتا پھرے۔ ان اندوہناک اور غمناک حالات میں حکومت اور سیکورٹی پر مامور ایجنسیوں کو خوابِ غفلت سے باہر آنا چاہئے اور ملک میں عوام کی حفاظت اور قانون کی بالادستی کو یقینی بنانا چاہئے۔ ہماری پاک افواج نے بہت قربانیوں کے بعد ملک میں امن وامان قائم کیا تھا، جس سے پاکستان کا امیج بیرونی دنیا میں بھی بہت اچھا قائم ہوا تھا اور اب پھر اس کو سیکورٹی رسک بنانے کی کوشش کی جارہی ہے، لہٰذا ملک دشمن چاہے وہ را کے ایجنٹ ہوں یا موساد کے یا پاکستان میں موجود ان کے ایجنٹ، ان کا قلع قمع اور بیخ کنی بہت ضروری ہے، نہیں تو وہ ایک بار پھر ہمیں ۹۰ء کی دہائی میں پہنچا دیں گے، ولا فعل اللہ ذٰلک۔

ان تمام واقعات اور عناصر کی سرگرمیوں کا باریک بینی سے جائزہ لینے کے بعد ایسی پالیسی مرتب کرنی چاہئے کہ ان واقعات کی روک تھام اور دہشت گردی کی اس تازہ لہر کا ابتدا ہی سے قلع قمع کیا جاسکے۔ ہماری ایجنسیوں کو بھی بیدار مغزی کا ثبوت دینا چاہئے، اس لئے کہ بہترین انٹیلی جنس وہ ہوتی ہے جو خطرہ کو بروقت بھانپ لے اور خطرے کے امکانات پیدا ہوتے ہی خطرہ پیدا کرنے والوں کا سر کچل دے۔ اس دہشت گردی میں شہادت پانے والے فوجی جوانوں کو قوم سلام پیش کرتی ہے، جنہوں نے ہمارے کل پر اپنا آج قربان کر دیا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ان شہداء کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور ان کے والدین اور لواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائے، آمین۔

ایک وقت تھا کہ صوبہ سندھ بشمول کراچی میں لسانیت، عصبیت اور فرقہ واریت کی بنیاد پر جھگڑے کرائے گئے، جس میں بہت سے افراد بلالحاظِ مرد وعورت اور بوڑھے جوان' ان جھگڑوں کی بھینٹ چڑھائے گئے، کاروبار تباہ کئے گئے، کئی تاجر حضرات نقل مکانی کر گئے، جس سے کراچی جیسے روشنیوں والے اور غریب پرور شہر کا امیج خراب اور اس کی ساکھ کو نقصان پہنچایا گیا اور یہ سلسلہ کئی سال تک چلایا جاتا رہا۔ خدا خدا کر کے یہ آگ تھمی اور کراچی کے باسیوں نے سکھ کا سانس لیا۔ اب ایک بار پھر کراچی میں لسانیت اور تعصب کی بنا پر سوشل بائیکاٹ کی دعوت دی جارہی ہے، جو کسی بھی اعتبار سے مناسب نہیں، لہٰذا ہم اس رویے اور سوچ کی بھرپور مذمت کرتے ہیں اور تمام قومیتوں سے کہنا چاہتے ہیں کہ آپ بھی بھائی بھائی بن کر رہیں۔ اس تعصب اور لسانیت کی بنیاد پر تقسیم کی نہ اسلام ہمیں اجازت دیتا ہے اور نہ ہی ملکی حالات اس کے متحمل ہیں۔ ایک طرف ہمارا دشمن ہمیں تاک تاک کر نشانہ بنا رہا ہے اور دوسری طرف لسانیت اور عصبیت کو ہوا دی گئی اور بھڑکاوا دیا گیا تو خود سوچ لیں کہ ایسا کرنے والے کس کی معاونت، کس کے کام کو آسان اور کس کی خدمت کر رہے ہیں۔ خدارا! ایسے متعصب اور بدبودار نعروں سے پرہیز کرتے ہوئے نوجوان نسل کو ایمان، اتحاد اور اپنے ملک سے محبت کو اجاگر کرنے کے لئے کردار ادا کریں، تاکہ یہ نوجوان نسل صحیح معنوں میں ملک اور قوم کے معمار بن کر ان کا نام روشن کرے۔

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ سیدنا محمد و علیٰ آلہ و صحبہ اجمعین

سفرِ معراج.... واقعات ومشاہدات

مولانا محمد قاسم، کراچی

ماہ رجب المرجب اسلامی تقویم کا ساتواں مہینا ہے۔ اس مہینے کا آغاز ہوتے ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا مانگا کرتے تھے:

’’اللّٰھم بارک لنا فی رجب و شعبان وبلغنا رمضان۔‘‘ (بیہقی)

ترجمہ: ’’یا اللہ! ہمارے لئے رجب اور شعبان کے مہینہ میں (خصوصی) برکت عطا فرما اور ہم کو رمضان کی آمد تک خیریت کے ساتھ رکھ۔‘‘

اس بنا پر یہ مہینا اہل ایمان کے لئے خوشی و مسرت کا موجب ہے کہ اس کے آتے ساتھ ہی رمضان کے مبارک مہینے کی منزل قریب نظر آنے لگتی ہے اور ہر مومن اس مہینے کی تیاری کے لئے پُر جوش ہو جاتا ہے۔ یہ مہینا دو مزید وجوہات سے خصوصیت کا حامل ہے، ایک تو اس کا شمار حرمت والے ان چار مہینوں میں ہوتا ہے جو زمانۂ جاہلیت میں بھی اہلِ عرب کے نزدیک حرام سمجھے جاتے تھے اور ان مہینوں میں جنگیں، لڑائیاں وغیرہ سب ممنوع ہوتا تھا۔ یہ چار ماہ (۱) رجب المرجب، (۲) ذوالقعدہ، (۳) ذوالحجہ اور (۴) محرم الحرام ہیں۔ نیز ماہ رجب کی عظمت کی دوسری وجہ جو اسے باقی تمام مہینوں سے ممتاز کر دیتی ہے، یہ ہے کہ اس مبارک مہینے میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب پیغمبر آخرالزماں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج کرائی تھی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جیسے تمام نبیوں کے سردار ہیں، ایسے ہی آپ کا دین بھی تمام ادیان پر فوقیت رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری دین اسلام کی حقانیت کو مبرہن کرنے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معجزے بھی ایسے عطا فرمائے جو آپ کی عظمت کا پھیریرا صرف اس جہاں میں نہیں بلکہ تمام جہانوں میں لہرا دیں، ان معجزوں میں جن کی تعداد علامہ حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے ایک ہزار سے بھی زیادہ شمار کرائی ہے (ترجمان السنۃ)۔ ایک تو اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ’’قرآن کریم‘‘ ہے جو اپنے نزول سے آج تک ہر دور میں زندہ تابندہ معجزہ چلا آ رہا ہے اور دوسرا معجزہ جس نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سرِ عرش سربلند کر دیا ’’معراج‘‘ ہے۔

معراج کا واقعہ قرآن کریم میں دو مقامات پر مذکور ہے۔ ایک سورۂ بنی اسرائیل کی پہلی آیت کریمہ میں اور دوسرا سورۂ نجم کی ابتدائی آیات کریمہ میں، نیز سورۂ بنی اسرائیل کی آیت نمبر ۶۰ بھی اس واقعہ کی جانب اشارہ کرتی ہے۔ اس کے علاوہ تقریباً ۴۵ صحابہ کرامؓ نے واقعہ معراج کی تفصیلات کو بیان کیا ہے، جن میں حضرت عمر فاروق، حضرت علی المرتضیٰ، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت ابی بن کعب، حضرت ابو ہریرہ، حضرت انس، حضرت حذیفہ بن یمان، حضرت ابوذر غفاری وغیرہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین ایسے جلیل القدر اصحاب رسول شامل ہیں۔ نیز تابعین عظام میں سے سعید بن جبیر، ضحاک، قتادہ، ابن مسیّب، حسن بصری، ابراہیم نخعی، مسروق، مجاہد، عکرمہ اور ابن شہاب رحمہم اللہ تعالیٰ ایسے مفسرین، محدثین اور فقہائے امت بھی واقعۂ معراج کے راوی ہیں، بلکہ اس معراج کا تذکرہ تو پہلے انبیاء کے صحیفوں میں بھی ملتا ہے، چنانچہ مولف ’’ترجمان السنۃ‘‘ حضرت مولانا سیّد بدر عالم میرٹھی مہاجر مدنی نوراللہ مرقدہ، شیخ الاسلام علامہ حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے حوالے سے نقل فرماتے ہیں کہ حضرت دانیال علیہ السلام نبی اللہ نے کہا کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی کہ بنی اسرائیل کا حال مجھ سے بیان فرمائیے تو اس نے ان کے حالات بیان فرما دیے، یہاں تک فرمایا کہ میں بنی اسماعیل میں ایک نبی اٹھاؤں گا جس کی بشارت میں نے حضرت ہاجرہ سلام اللہ علیہا کو دی، پھر اس نبی کی صفات ذکر کیں، یہاں تک فرمایا کہ میں شب میں اس کو بلاؤں گا اور اس کو اپنے قریب کر کے اس پر صلوٰۃ وسلام بھیجوں گا اور اس کو وحی کے ذریعہ اسرار پنہاں سے آگاہ کروں گا، اس کے بعد شاداں وفرحاں اپنے بندوں کے

پاس اس کو پھر واپس کروں گا۔ اس کے بعد حضرت دانیال علیہ السلام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پورا قصہ ذکر فرمایا۔

(الجواب الصحیح بحوالہ ترجمان السنۃ، ج:۳،ص:۴۵۸)

چنانچہ قرآن کریم، سنت نبویہ اور انبیاء سابقہ علیہم السلام کی تصریحات کی روشنی میں واقعۂ معراج ہمارے سامنے یوں نکھر کر آ جاتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب اہل مکہ کی تکذیب سے مضطرب ہوکر طائف تشریف لے گئے تاکہ اہل طائف کو ایمان کی دعوت دی جائے، مگر ان کے ستانے، ظلم وستم اور جھٹلانے سے کبیدہ خاطر آپ واپس مکہ مکرمہ تشریف لائے تو اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی وتالیف قلب کے لئے آپ کو اپنی ملاقات کے لئے یاد فرمایا۔ یہ سال حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے عام الحزن تھا، کیونکہ آپ کے محبوب چچا اور آپ سرپرست اور ظاہری اسباب میں مضبوط پشت و پناہ جناب ابوطالب اور آپ کی زوجہ مطہرہ، اسلام کی پہلی فرد، نبوت کی پہلی مددگار، آپ کی ہمدرد و غمگسار، آپ کو دلاسہ دے کر پہلی وحی کا بارگراں ہلکا کرنے والی ام المومنین سیدۃ المسلمین حضرت خدیجۃ الکبریٰ طاہرہ رضی اللہ عنہا رحلت فرمائے عالم آخرت ہوچکے تھے۔ غرض یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب پیغمبر کے غموں کو ہلکا کرنے اور جھٹلانے والے مشرکین وکفار کی نگاہ میں سربلند کرنے کے لئے آپ کو سرعرش اپنا مہمان بنایا۔

نبوت کے تیرہویں سال جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک ۵۲ برس تھی، رجب کی ۲۷ تاریخ بدھ کی شب کو یہ واقعہ اس وقت پیش آیا جب آپ اپنی چچازاد ہمشیر، جناب ابوطالب کی دختر اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خواہر حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا کے گھر میں آرام فرماتے۔ حضرت مالک بن صعصعہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا کہ میرے پاس ایک فرشتہ آیا، اس نے میرا پیٹ چاک کرکے میرا دل باہر نکالا اور اسے ایمان وحکمت سے بھرے ہوئے سونے کی طشت میں رکھ کر آبِ زمزم سے دھویا، پھر دل اس کی جگہ واپس رکھ دیا۔ اس کے بعد حضرت جبریل امین علیہ السلام سفید رنگ کا ایک جانور جو خچر سے کچھ چھوٹا اور گدھے سے ذرا بڑا تھا، لے کر حاضر خدمت ہوئے، یہ براق تھا جو اس قدر سبک رفتار تھا کہ جہاں تک انسانی نگاہ کی حد ہوتی ہے وہاں اس کا ایک قدم پڑتا تھا۔ براق پر سوار ہوکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سفر معراج پر روانہ ہوئے۔ دورانِ سفر آپ کا گزر یثرب پر ہوا، یہاں آپ نے حضرت جبریل علیہ السلام کے کہنے پر نماز ادا کی، یہی جگہ بعد میں آپ کا مسکن ٹھہری جب آپ ہجرت فرما کر یہاں تشریف لائے اور یثرب کی بجائے ”مدینۃ النبی“ کہلائی اور اب یہی مقام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مدفن اور مہبط انوار وکرم ہے، پھر آپ مدین، بیت اللحم اور کوہِ طور سے بھی گزرے اور ان مقامات پر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ادا فرمائی، مدین اور کوہِ طور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نسبت سے اور بیت اللحم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مولد ہونے کی وجہ سے باعث شہرت ہیں۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیت المقدس پہنچے اور براق کو اس کھونٹے سے باندھا جس سے پہلے انبیاء کرام علیہم السلام اپنی سواریاں باندھا کرتے تھے۔ یہ جگہ ”بابِ محمد“ کہلاتی ہے۔

بیت المقدس (مسجد اقصیٰ) میں حضرت آدم تا حضرت عیسیٰ علیہم السلام تمام انبیاء ورسل جمع تھے، حضرت جبریل علیہ السلام نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ پکڑ کر مصلے پر کھڑا کردیا، آپ نے نماز پڑھائی اور یوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ”امام الانبیاء“ کے منصب نشین ہوگئے۔ نماز کے بعد جب فرشتوں نے حضرت جبریل علیہ السلام سے پوچھا کہ آپ کے ساتھ یہ کون ہستی ہیں؟ تو حضرت جبریل امین علیہ السلام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تعارف بایں الفاظ کرایا: ”یہ محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔“

(بحوالہ نشر الطیب از حضرت تھانویؒ)

گویا معراج کے اس سفر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کا اعلان ہوگیا۔ تمام انبیاء و رسل کا آپ کے پیچھے نماز پڑھنا بھی اس امر کی دلیل ہے کہ آپ کے بعد نبی کوئی نہیں، اگر ہوتا تو بیت المقدس میں صف انبیاء میں شامل ہوتا۔

نماز سے فارغ ہوکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام انبیاء کرام علیہم السلام سے ملاقات کی، اس کے بعد بعض انبیاء نے خود پر ہونے والے انعامات خداوندی کا ذکر کیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آتش نمرود کے ٹھنڈا ہو جانے، خلیل اللہ کے شرف سے مفتخر ٹھہرنے، دعائے امامت قبول ہونے کا تذکرہ کیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تورات کے نزول، فرعون کی ہلاکت و بنی اسرائیل کی آزادی، کلیم اللہ کا لقب پانے کا اعزاز بیان فرمایا۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنی گفتگو میں عظیم الشان بادشاہی، زبور کا علم، لوہا نرم ہونا، پہاڑوں اور پرندوں کا لحن داؤدی سن کر مسحور ہونا بتایا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے

ہوا، جنات کے مسخر ہونے، چرند و پرند کی بولی اور ایسی سلطنت ملنے پر خدا کا شکر ادا کیا جو ان کے بعد کسی کو نہیں ملی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے سلسلۂ کلام میں خود کے کلمۃ اللہ ہونے، حضرت آدم علیہ السلام کے مثل ہونے، بے جان میں روح پھونکنے، جذامی و اندھے کو صحت یاب کر دینے، شیطان مردود سے اپنے اور اپنی والدہ بی بی مریم سلام اللہ تعالیٰ علیہا کے محفوظ ہونے اور انجیل عطا ہونے پر خدا کے احسانات گنوائے۔

آخر میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تقریر میں ارشاد فرمایا: آپ سب نے اپنے رب کی حمد و ثنا کی، میں بھی اپنے رب کی تعریف بیان کرتا ہوں، تمام تعریفیں اس خدا کے لئے ہیں جس نے مجھے رحمۃ للعالمین اور تمام لوگوں کے لئے بشیر و نذیر بنا کر بھیجا اور مجھ پر قرآن مجید فرقانِ حمید نازل فرمایا اور میری امت کو ایسا بنایا کہ وہ (رتبہ کے اعتبار سے) اول بھی ہے اور (دنیا میں آنے کے لحاظ سے) آخر بھی ہے۔ اور میرے سینے کو فراخ فرمایا اور میرا بار مجھ سے ہلکا فرمایا اور میرے ذکر کو بلند کر دیا اور مجھ کو سب کا شروع کرنے والا اور سب کا ختم کرنے والا بنایا (یعنی میرے نور کو سب سے پہلے پیدا فرمایا اور میرا ظہور آخر میں ہوا)۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خطاب کے بعد ابوالانبیاء خلیل اللہ سیّدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تمام نبیوں کی طرف سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت کا اعتراف کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ”آپ ان بیان کردہ کمالات کی وجہ سے تمام انبیاء پر سبقت لے گئے۔“

بیت المقدس سے باہر تشریف لانے کے بعد حضرت جبریل علیہ السلام نے آپ کی خدمت میں دو یا تین پیالے پیش کئے، ایک دودھ کا، دوسرا شہد کا اور تیسرا شراب کا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دودھ کا پیالہ پسند فرمایا، اس انتخاب پر حضرت جبریل علیہ السلام نے فرمایا: ”آپ نے فطرت کو پسند کیا۔“ کیونکہ شہد لذت کے لئے اور شراب سرور کے لئے پیئے جاتے ہیں جبکہ دودھ ایسی غذا ہے جو کھانے اور پینے دونوں کے کام آتا ہے اور غذا سے انسانی بدن میں طاقت آتی ہے تو عبادت خداوندی کے لئے آسانی ہوتی ہے، گویا دودھ انسان کی فطری غذا ہے اور فطرت سے مراد دین اسلام ہے۔ (ملخص از ”معراجِ رسول“ از حضرت مولانا قاری شریف احمدؒ)

مسجد حرام (مکہ مکرمہ) سے مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) کا یہ سفر قرآن کریم کی اصطلاح میں ”اسراء“ کہلاتا ہے۔ اسراء کا معنی ہے: ”رات کے وقت سفر کرنا“۔ اسی سفر کو قرآن کریم کی یہ آیت مبارکہ بیان کرتی ہے:

”سُبْحَانَ الَّذِیْ أَسْرَی بِعَبْدِہِ لَیْلاً مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَی الْمَسْجِدِ الأَقْصَی الَّذِیْ بَارَکْنَا حَوْلَہُ لِنُرِیَہُ مِنْ آیَاتِنَا إِنَّہُ ھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ.“ (بنی اسرائیل:۱)

ترجمہ: ”پاک ذات ہے جو لے گیا اپنے بندے کو رات ہی رات ادب والی مسجد سے پرلی مسجد تک جس میں ہم نے خوبیاں رکھی ہیں کہ دکھاویں اس کو کچھ اپنی قدرت کے نمونے وہی ہے سنتا، دیکھتا۔“

(ترجمہ موضح القرآن، شاہ عبدالقادر دہلویؒ)

اس سورۃ کا دوسرا نام ”سورۃ الاسراء“ اس وجہ سے بھی ہے کہ اس کی پہلی آیت مبارکہ میں اس سفر کا تذکرہ ہے۔ بیت المقدس سے آسمان کی سیر اور عرش تک کے سفر کو معراج کہا جاتا ہے، جس کا ذکر سورۃ النجم میں ہے۔ نیز سفر کی ان دونوں نوعیتوں کو محض ”معراج“ سے بھی تعبیر کر دیا جاتا ہے۔

آیت مذکورہ بالا سے معلوم ہوتا ہے کہ سفر معراج انسانی قدرت سے باہر اور محض قدرت خداوندی کا شاخسانہ ہے، تبھی آیت کی ابتدا ”سبحان“ کے لفظ سے ہوئی ہے، یہ لفظ وہاں بولا جاتا ہے جہاں تعجب و حیرت کا سامان ہو۔ نیز یہ آیت کریمہ بتلا رہی ہے کہ سفر معراج ایک حقیقی واقعہ ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ظاہری جسم کے ساتھ پیش آیا، کیونکہ آیت میں ”عبد“ کا لفظ ہے جو جسم اور روح دونوں کے مجموعہ سے عبارت ہے۔ نیز اگر یہ واقعہ خواب میں یا جاگتی آنکھوں کے ساتھ کشف کے طور پر پیش آیا ہوتا تو شروع میں ”سبحان“ لانے کی ضرورت نہیں تھی کیونکہ خواب یا کشف باعث حیرت و تعجب نہیں ہوتے بلکہ انسان خوابوں میں پورا جہاں گھوم کر آ سکتا ہے۔ اسی طرح یہ سفر سرعت رفتار کی ایسی نظیر ثابت ہوا کہ اتنا لمبا سفر صرف رات ہی نہیں بلکہ رات کے محض ایک حصہ میں طے ہو گیا، آیت مذکورہ بالا میں اسی کو ”لیلاً“ سے تعبیر کیا گیا اور یہ بات علوم عربی کی فصاحت و بلاغت کے واقف شناساؤں پر مخفی نہیں کہ اس لفظ سے کتنا وقت مراد ہے۔ اردو دان طبقہ ”چند ثانیے، لمحہ بھر، پلک جھپکتے، چشم زدن“ کی تعبیرات سے اس وقت کا اندازہ لگا سکتا ہے۔

آیت کے آخر میں ”لِنُرِیَہُ مِنْ آیَاتِنَا“ سے اس سفر کے مقاصد میں سے ایک مقصد پر روشنی ڈالی گئی ہے اور وہ یہ کہ اس سفر کے ذریعہ اللہ تعالیٰ آپ صلی

اللہ علیہ وسلم کو اپنی نشانیاں دکھانا چاہتے تھے تاکہ موجودہ عہد جس میں انسان ترقی کرتے کرتے چاند اور مریخ پر کمند ڈالنے لگا اور کائنات کے رازوں کو کھوجنے لگا ہے تو اس کائنات کے خالق اور انسان کے رب اللہ تعالیٰ کے لئے اپنے بندے و رسول کو ان جہانوں کی سیر کرانا کیا مشکل ہے جہاں تک ابھی انسانی ترقی کی رسائی بھی نہیں ہوئی۔ گویا سفرِ معراج میں عہدِ رفتہ کے ترقی یافتہ انسان کے لئے اپنے رب کو پہچاننے اور اس پر ایمان لانے کے بہت سے سامان ہیں، پھر انسان اپنے رب سے کہاں بھاگا جاتا ہے؟ چناں چہ اسی سورۃ کی آیت ۶۰ میں اللہ تعالیٰ نے واقعہ معراج کو انسانوں کی آزمائش قرار دیا ہے:

"وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِيْ أَرَيْنٰكَ إِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ۔"

ترجمہ: "اور وہ دکھاوا جو تجھ کو دکھایا ہم نے سو جانچنے کو لوگوں کے۔"

(ترجمہ موضح القرآن، شاہ عبدالقادر دہلویؒ)

یہ سفرِ معراج کا پہلا مرحلہ تھا جو مسجد حرام سے شروع ہو کر بیت المقدس تک طے ہوا۔ اس کے بعد سفر کا دوسرا مرحلہ شروع ہوا اور حضرت جبریل علیہ السلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر آسمانوں پر چڑھنا شروع ہوئے۔ انسانی آنکھ کو جو نیلی چھتری نظر آتی ہے اور عرف میں اسے آسمان کہہ دیا جاتا ہے، جدید تحقیق کے مطابق یہ سورج کی تیز کرنوں سے پیدا ہونے والا سماں ہے نہ کہ یہ آسمان ہے، یہی وجہ ہے کہ سورج ڈھلتے ہی یہی آسمان ہمیں سیاہ دکھنے لگتا ہے، اس لئے اسے خلا سے تعبیر کر دیا جاتا ہے۔ مگر قرآن و حدیث میں چونکہ سات آسمانوں کا تذکرہ ملتا ہے، اس لئے آسمان تو یقیناً ہیں، یہ ممکن ہے کہ انسانی آنکھ کی ان تک رسائی نہ ہوئی ہو۔ انہی آسمانوں پر ہمارے آقا و مولا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب تشریف لے گئے ہیں تو ہر ہر آسمان پر باقاعدہ دستک دی جاتی، دروازہ پر مامور فرشتہ تعارف کرانے کو کہتا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کا سن کر پوچھتا کہ خدا کے حکم سے آئے ہیں یا خود تشریف آوری ہوئی ہے؟ حضرت جبریل علیہ السلام ہر سوال کا جواب دیتے، نام بتاتے، خدا کا حکم سناتے تو دروازہ کھلتا، اجازت ملتی، خوش آمدید کہا جاتا، اندر تشریف لے جاتے ہی جو بھی نبی وہاں تشریف فرما ہوتے آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں سلام کرتے، وہ سلام کا جواب دیتے اور مرحبا کہتے۔ پہلے آسمان پر حضرت آدم، دوسرے پر حضرت یحییٰ و عیسیٰ، تیسرے آسمان پر حضرت یوسف، چوتھے پر حضرت ادریس، پانچویں پر حضرت ہارون، چھٹے آسمان پر حضرت موسیٰ اور ساتویں پر حضرت ابراہیم سے ملاقات ہوئی (علیہم الصلوٰۃ والسلام)۔

یہ قصہ تفصیل کے ساتھ بخاری و مسلم کی طویل روایتوں میں مروی ہے، مگر یہاں طوالت سے اجتناب کرتے ہوئے اس سے حاصل ہونے والے سبق کی طرف توجہ کی ضرورت ہے۔

ہمارے لئے اس میں درس یہ ہے کہ کسی کے گھر میں بغیر اجازت داخل نہ ہوا جائے۔ داخل ہونے سے پہلے دستک دے کر اطلاع بھجوائی جائے۔ پوچھنے پر تعارف کرایا جائے اور اس کا بُرا نہیں منانا چاہئے۔ نام پوچھنے پر نام بتایا جائے نہ کہ "میں، میں" کی تکرار کی جائے۔ اندر داخل ہونے والے کو پہلے سے موجود افراد کو سلام کرنا چاہئے۔ اس طرح گھر کے افراد آنے والے مہمان کو اچھے الفاظ اور دعائیہ کلمات کے ساتھ کھلے دل سے خوش آمدید کہیں، حضرت آدم اور ابراہیم علیہما السلام نے "میرے بیٹے" کہہ کر اور بقیہ انبیاء کرام علیہم السلام نے "بھائی" کے الفاظ سے استقبال کیا۔ یہ ہمیں درجات کے تفاوت کے آداب سکھاتا ہے کہ بزرگوار، ہم عمر اور کم عمر افراد کو ان کے مناسب اور شایانِ شان القاب سے مرحبا کہا جائے۔

ساتویں آسمان کے بغیر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سدرۃ المنتہیٰ کی طرف اٹھایا گیا۔ یہ وہ مقام ہے جو حدِّ فاصل اور آخری حد و انتہا کہلاتا ہے، یعنی نیچے سے آنے والے اس جگہ سے اوپر نہیں جاسکتے اور اوپر سے آنے والے اس سے نیچے جانے کی اجازت نہیں پاتے۔ "سدرہ" عربی زبان میں بیری کے درخت کو کہتے ہیں، مگر اسے دنیا کی بیری کی طرح نہیں سمجھنا چاہئے، یہاں محض نام کا اشتراک ہے، کیونکہ اس جہاں کی اشیاء اس دنیا کی آنکھ میں سمانے والی نہیں۔ سدرۃ المنتہیٰ کی جڑیں چھٹے آسمان میں پیوست ہیں اور پھیلاؤ ساتویں آسمان میں ہے۔ دنیاوی اعمال یہیں سے اوپر جاتے ہیں اور آسمانی احکام بھی ادھر ہی سے نیچے اترتے ہیں۔ سدرۃ المنتہیٰ پر فرشتوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی، چناں چہ سورۃ النجم میں ارشاد باری ہے: "اذ یغشی السدرۃ ما یغشیٰ" (النجم:۱۶) "جب چھا رہا تھا اس بیری (کے درخت) پر جو کچھ چھا رہا تھا۔" یعنی اللہ تعالیٰ کے انوار و برکات اور تجلیات اور فرشتوں کا ہجوم اس جگہ کو گھیرے ہوئے تھا۔ اس درخت کے ارد گرد سنہرے پروانے تھے جن سے حسن و جمال کا وہ منظر بنا ہوا تھا جس کی تصویر کشی ممکن نہیں۔

(جاری ہے)

تحمل وبرداشت..... اعلیٰ انسانی اقدار

مولانا عبدالرشید طلحہ نعمانی

انسانی معاشرہ ایک گل دستے کی طرح ہے جس طرح گل دستے میں مختلف رنگ کے ہمہ نوع پھول، حسن و خوبصورتی کا باعث ہوتے ہیں، بالکل اسی طرح انسانی معاشرہ بھی مختلف الخیال، مختلف المذہب اور مختلف النسل کے افراد سے مل کر ترتیب پاتا ہے اور اس کا یہی تنوع اس کی خوبصورتی کا سبب بنتا ہے۔ چنانچہ میانہ روی، رواداری، تحمل مزاجی، عفوودرگزر اور ایک دوسرے کو برداشت کرنے کا جذبہ، یہ وہ خوبیاں ہیں جن کی وجہ سے سماج امن و امان کا گہوارہ بنتا ہے اور اس طرح ایک صالح معاشرہ تشکیل پاتا ہے۔

کوئی زمانہ تھا کہ حق گوئی اور بے باکی جواں مردوں کا آئین اور قلندروں کا طریق سمجھی جاتی تھی، مگر میری رائے میں فی زمانہ جرأتِ گفتار سے زیادہ ہمتِ برداشت ہی مردان خردمند اور جوانان ہوش مند کا طرہ امتیاز ہے۔

قوت برداشت ان اعلیٰ صفات میں سے ہے، جو افراد کے لئے انفرادی طور پر اور اقوام کے لئے اجتماعی طور پر فوز و فلاح، کامیابی و کامرانی، عزت وعظمت اور ترقی و سربلندی کا ذریعہ ہے۔ تحمل وہ دولت ہے، جس کی وجہ سے انسان کے نفس میں ایسی غیر معمولی طاقت پیدا ہوتی ہے جو کسی بھی حالت میں انسان پر قوت غضب کو غالب نہیں آنے دیتی۔ دین وشریعت میں حق پر ہوتے ہوئے مصائب سہنا، مظالم برداشت کرنا، تکالیف انگیز کرنا تو اخلاق کا اونچا معیار اور انسانیت کی بڑی معراج ہے۔ ''والحق احق ان یتبع'' مگر خود ساختہ مزعومات اور من مانی نظریات پر اصرار کرنا، زبردستی انہیں تسلیم کرنے پر مجبور کرنا، خلاف ورزی پر مشتعل و برانگیختہ ہونا، پرلے درجہ کی حماقت اور نچلے درجہ کی جہالت ہے۔ جس کے بے شمار نمونے بہ زعم خویش منکرین کے ذریعہ سوشل میڈیا پر مشاہدے میں آتے ہیں۔

یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ قومیں اور افراد، جب اقبال مند ہوتے ہیں تو اپنا احتساب خود کرتے ہیں، اپنے خیالات ونظریات کو مستند سمجھ کر، مطمئن نہیں ہوجاتے، بلکہ ہر وقت جائزہ لیتے رہتے ہیں کہ کہیں اِن میں کوئی کھوٹ تو نہیں؟ خلاف عقل وشرع کوئی بات تو نہیں؟ لیکن افسوس صد افسوس کہ عصر حاضر میں جو جادو سر چڑھ کر بول رہا ہے، جو خمار ذہن و دماغ پر چھایا ہوا ہے اور جو سودا سروں میں سمایا ہوا ہے، بے لاگ انداز میں، بغیر کسی ہچکچاہٹ کے، بلاخوف لومۃ لائم لکھا جائے تو وہ ہے— حکم رانی کا جنون— اور— بڑائی جتلانے کا فسوں— وہ بھی قوت برداشت کے بغیر، آج ہر کوئی کنویں کے مینڈک کی طرح خود کو حاکم اعلیٰ اور عقل کُل سمجھتا ہے، چار لوگ کیا معاون بن گئے خود کو متبوع ومخدوم گمان کرنے لگتا ہے۔ بعض بعض تو ایسا حاکمانہ؛ بل کہ آمرانہ مزاج رکھتے ہیں کہ تلاش کرنے پر بھی عاجزی، انکساری اور فروتنی؛ بل کہ اِن کی ادنیٰ چنگاری بھی ان میں دور دور تک نظر نہیں آتی۔ اس پر طرہ یہ کہ وہ خود بھی اس طلسم سے باہر نہیں آنا چاہتے اور خودی کی خدائی میں اتنے مصروف ومگن اور انا کی خول میں اس طرح مقید و بند ہو جاتے ہیں کہ انجام کار اوقات فراموش بن بیٹھتے ہیں۔ ایسے افراد کا جب احتساب کیا جاتا ہے، انہیں دیانتاً کوئی اہم پہلو بتلایا جاتا ہے تو بیدار مغزی کا ثبوت دینے اور خندہ پیشانی کا مظاہرہ کرنے کے بجائے کینے اور حسد کو پالنے، بغض وعناد کو راہ دینے اور زندگی بھر کی دشمنی مول لینے سے بھی دریغ نہیں کرتے۔

نفسیاتی طور پر ہر انسان کی یہی خواہش ہوتی ہے کہ سننے سے زیادہ سنانے کو پسند کرتا ہے، ماننے سے زیادہ منوانے کو ترجیح دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ زیادہ تر لوگ اس نیت سے نہیں سنتے کہ مخاطب کی بات کو سمجھیں بلکہ وہ اس لئے سنتے ہیں کہ انہیں جواب دینا ہوتا ہے۔ اس لئے یا تو وہ دخل اندازی کرتے ہوئے خود بولنے لگتے ہیں یا پھر بولنے کی تیاری میں مصروف ہوجاتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ انسان صحیح معنوں میں یا تو سن سکتا ہے یا بول سکتا ہے۔ ان دنوں کاموں کو جمع کرنا کسی مثبت نتیجہ تک نہیں پہنچا سکتا۔

نبی پاک ﷺ کی تحمل مزاجی:

مولانا ڈاکٹر قاسم محمود لکھتے ہیں کہ کسی بھی شخص کی کامیابی اور بلندی کا راز یہ ہے کہ انتہائی عقل و دانش سے فیصلہ کرے۔ انفرادی زندگی میں صبر وضبط کی ضرورت تو ہے ہی، لیکن اس کی اہمیت اجتماعی جگہوں میں مزید بڑھ جاتی ہے۔ اگر تحمل اور صبر وضبط سے کام نہ لیا جائے تو زندگی گزارنا مشکل ہوجائے۔ اپنی شخصیت کونکھارنے، مسائل سے نجات پانے اور خوشگوار زندگی گزارنے کے لئے ضروری ہے کہ جذبات کوقابو میں رکھا جائے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب نبوت کا اعلان کیا تو مکہ کا سارا ماحول آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اجنبی بن گیا، وہی لوگ جن کے درمیان آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بچپن اور جوانی گزری، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امانت و صداقت کے بڑے مداح اور عاشق تھے، وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امانت وصداقت کے بڑے مداح اور عاشق تھے، وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالف اور جانی دشمن ہوگئے، پھر کچھ ہی عرصے کے دوران عرب کی اجڈ قوم کے دل و دماغ میں اسلام اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بے پناہ محبت رچ بس گئی اور ان جانی دشمنوں نے دل و جان سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امارت و اطاعت قبول کرلی یقیناً اس پر انسانی عقل دنگ رہ جاتی ہے اور حیرت کی انتہا نہیں رہتی۔ سیرت طیبہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ عرب کے اس تاریخی انقلاب میں جہاں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شیریں زبان، اعلیٰ اخلاق، بہترین لب ولہجہ اور پیہم جدوجہد کا حصہ ہے، وہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا صبر وتحمل، بردباری اور قوت برداشت نے بھی بڑا اہم کردار ادا کیا ہے۔ بلاشبہ صبر وتحمل کا وصف انتہائی مفید ومعنی خیز ہے، اس سے سعادت وبھلائی اور سکون واطمینان کے مواقع تو ہاتھ آتے ہی ہیں، ساتھ ہی صبر واستقامت کی راہ پر چل کر لوگوں کی قیادت و امامت کا درجہ بھی حاصل کیا جاسکتا ہے، اللہ نے اپنا یہ دستور اور قانون بہت پہلے ہی ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے:

”ہم نے ان میں سے بعض کو قائد اور امام بنایا جو ہماری باتوں سے لوگوں کو واقف کراتے تھے، یہ ان کے صبر کا بدلہ ہے۔“

(انسانی زندگی میں صبر وضبط اور تحمل وبرداشت کی اہمیت)

یہی وجہ ہے کہ مورخین نے صبر وضبط اور برداشت وتحمل کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کا درخشاں پہلو اور اہم ترین حصہ قرار دیا ہے۔ اس حوالے سے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک دو واقعات بھی پیش خدمت ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ خادم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نو سال تک خدمت کی (عام طور پر اس لمبے عرصے میں ضرور کوئی نہ کوئی بات خلاف مزاج ہو ہی جاتی ہے اس کے باوجود) کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کام کے تعلق سے مجھے اُف تک نہیں کہا، نہ میرے کام پر نکتہ چینی یا عیب جوئی فرمائی۔ ایک مرتبہ تو یوں ہوا کہ کسی کام سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو بھیجا، مگر وہ کھیل کود میں مصروف ہوگئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت انس رضی اللہ عنہ کو خود تلاش کرتے ہوئے نکلے اور ملاقات پر کچھ نکیر نہ فرمائی اور انداز تخاطب میں بھی کوئی تبدیلی نہیں لائی، بلکہ رحیمانہ و مشفقانہ انداز میں اس طرح مخاطب فرمایا:

”اے اُنس! (چھوٹے بچوں کو بطور محبت کے اس طرح پکارا جاتا ہے اور غصہ کرنے کے بجائے محبوبانہ انداز میں صرف استفسار فرمایا کہ) وہاں نہیں گئے جہاں میں نے بھیجا تھا؟“ ذرا غور کیجئے کہ مستقل خدمت گزاروں کے ساتھ محبت و ہمدردی اور ضبط وتحمل کی اس سے بڑی کیا مثال دی جاسکتی ہے۔

ایک اور موقع کا ذکر ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ عنہم اجمعین مسجد نبوی میں تشریف فرما ہیں۔ ایک دیہاتی مسجد میں داخل ہوکر مسجد کے تقدس وحرمت کو پامال کردیتا ہے اور مسجد کے ایک گوشے میں پیشاب کرنے بیٹھ جاتا ہے۔ صحابہ کرامؓ یہ دیکھ کر سخت ناراض ہوتے ہیں اور اسے مارنے کے لئے لپکتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کو ایسا کرنے سے منع کرنے کے بعد ارشاد فرماتے ہیں: اسے چھوڑ دو اور پیار سے سمجھاؤ کہ مسجد اللہ کا گھر ہے، عبادت کی جگہ ہے، قابل احترام ہے یہاں بول و براز نہیں کرتے!! پھر ارشاد ہوتا ہے کہ جس جگہ اس نے پیشاب کیا ہے اس جگہ پانی بہادو۔ اس کے بعد صحابہ کرامؓ کو نصیحت فرماتے ہیں کہ ہمیں حسن اخلاق اور حسن کردار کا مظاہرہ کرنا چاہیے، آسانیاں پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے، دشواریاں اور مشکلات پیدا کرنے سے گریز کرنا چاہیے۔ (بخاری شریف)

اسلاف وا کابر کا تحمل:

جہاں تک ہم نے اپنے اسلاف کو پڑھا اور دیکھا تو یہی سمجھا کہ وہ ضبط وتحمل کے کوہ گراں تھے،

ان کو اپنی اصلاح کی بڑی فکر تھی، اگر کوئی انہیں ان کی غلطی بتاتا تو وہ یہ نہیں دیکھتے تھے کہ غلطی بتانے والا کون ہے؟ اس کا انداز کیسا ہے؟ وہ ہمارا مخالف ہے یا موافق؟ بلکہ اگر غلطی معلوم ہوجاتی تو علی الفور تسلیم کرلیتے اور برملا اعلان و اعتراف سے کبھی پیچھے نہیں ہٹتے۔ البتہ دوسروں کو ان کی غلطی بتانے میں حکمت اور حدود کا بھرپور خیال رکھتے۔

امام ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبیؒ لکھتے ہیں: ’’میمون بن مہران روایت کرتے ہیں کہ ایک دن ان کی باندی ایک پیالہ لے کر آئی، جس میں گرم گرم سالن تھا، ان کے پاس اس وقت مہمان بیٹھے ہوئے تھے۔ اچانک وہ باندی لڑکھڑائی اور ان پر سارا شوربا گرگیا۔ میمون نے اس باندی کو مارنے کا ارادہ کیا تو باندی نے کہا: اے میرے آقا! اللہ تعالیٰ کے اس قول پر عمل کیجئے آیت: ’’والکاظمین الغیظ‘‘ میمون نے کہا: میں نے اس پر عمل کرلیا (غصہ ضبط کرلیا) اس نے کہا: اس کے بعد کی آیت پر عمل کیجئے، آیت: ’’والعافین عن الناس‘‘ میمون نے کہا: میں نے تمہیں معاف کردیا، باندی نے اس کے بعد اس حصہ کی تلاوت کی، آیت: ’’واللہ یحب المحسنین‘‘ میمون نے کہا: میں تمہارے ساتھ نیک سلوک کرتا ہوں اور تم کو آزاد کردیتا ہوں۔

(الجامع لاحکام القرآن)

برصغیر کی معروف دینی درسگاہ، ام المدارس دارالعلوم دیوبند کے پہلے شیخ الحدیث اور صدر مدرس حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ جنہیں ان کے علوم کی وسعت اور گہرائی کی وجہ سے شاہ عبدالعزیز ثانی کہا جاتا تھا، ان کے تلمیذ ارشد حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے بار بار بیان کیا ہے کہ جب کوئی انہیں ان کی کسی غلطی پر تنبیہ کردیتا تھا تو نہایت شکر گزاری سے بار بار اس کا اعتراف کرتے تھے اور غالباً اسی کا اثر تھا کہ حضرت تھانویؒ نے (جو کہ نہایت کثیر التصانیف بزرگ ہیں) اپنے یہاں ایک مستقل سلسلہ ترجیح الراجح کا قائم کررکھا تھا اور کہیں سے کوئی بھی کسی چیز پر گرفت کرتا تھا تو اسے بغور ملاحظہ فرماتے اور اس کی رائے کو درست پاتے تو بے تکلف اس کا اعتراف کرکے اپنے سابق قول سے رجوع فرما لیتے۔ اسی طرح معروف سیرت نگار حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ نے بھی رجوع و اعتراف کے نام سے ایک مضمون تحریر فرمایا تھا جس میں اپنی متعدد آرأ سے برملا رجوع کیا۔

ایک مرتبہ کانگریس اور مسلم لیگ کے اختلافات کے دوران کسی لیگی نے دارالعلوم دیوبند کی مسند حدیث اور عہدۂ صدارت پر فائز اس عظیم ہستی کو (جسے دنیا شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنیؒ کے نام سے جانتی ہے) درسِ حدیث کے بعد ایک چٹھی دی، جس میں صاف طور پر یہ لکھا ہوا تھا: ’’سنا ہے کہ آپ حرامی ہیں؟‘‘

حضرت مولانا موصوف نے جیسے ہی اس چٹھی کو پڑھا تو نہ پہلو بدلا، نہ غصے اور ناگواری کا اظہار کیا، حتی کہ پیشانی پر بل لائے بغیر پورے اطمینان سے یوں جواب دیا: ’’نہیں! میں حرامی نہیں ہوں۔ میرے والدین کے نکاح کے گواہ آج بھی ٹانڈہ ضلع فیض آباد میں موجود ہیں، وہاں جاکر تحقیق کی جاسکتی ہے۔‘‘

الغرض.... اہل حق کا ہمیشہ یہی شعار رہا ہے کہ انہوں نے انفرادی و اجتماعی ہر موقع پر صبر و ضبط سے کام لیا اور اگر کبھی کسی مسئلے میں چوک ہوگئی تو بے جا تاویل کرنے کے بجائے، برملا اس سے رجوع کیا۔ یاد رکھنا چاہئے کہ ہمارا صبر و تحمل، ہماری قوت برداشت اور جبر ذات ہمارے لئے ہمیشہ خیر اور اجر کا سبب بنتی ہے، دانشوروں کا ماننا ہے کہ ہر معاشرے میں انتشار و خلفشار کی بنیادی وجہ قوت برداشت کی کمی ہے، اگر انسان اسی بنیادی خامی بلکہ کمزوری کے خلاف نبرد آزما رہے تو یہ دنیا رہنے کے لئے ایک پُرسکون جگہ بن سکے گی اور سکون سے بڑھ کر انسان کو اور کس دولت کی ضرورت ہوسکتی ہے؟ ☆☆

انتقالِ پُر ملال

مورخہ ۲۷/ جمادی الاولیٰ ۱۴۴۳ھ مطابق یکم جنوری ۲۰۲۲ء جمعہ ہفتہ کی درمیانی شب کو حضرت مولانا مشتاق احمد عباسی (ایڈیٹر ماہنامہ الہادی کراچی) کی اہلیہ محترمہ پچپن سال کی عمر میں بقضائے الٰہی وفات پاگئی ہیں۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔ مرحومہ جامعہ مخزن العلوم خان پور کے مطبخ کے بزرگ منتظم و باورچی حضرت الحاج عبدالرحمٰن بھارہ صاحب مرحوم کی صاحبزادی تھیں۔ انتہائی عابدہ، زاہدہ خاتون تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے مرحومہ کو چھ بیٹوں اور ایک بیٹی سے نوازا۔ پانچ بیٹے الحمدللہ! عالم و حافظ ہیں جبکہ بیٹی بھی عالمہ ہیں۔ مرحومہ کی تدفین بزرگوں کے مشہور قبرستان دین پور شریف میں ہوئی۔ اللہ تعالیٰ مرحومہ کی کامل مغفرت فرمائیں، درجات بلند فرمائیں اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائیں۔ قارئین کرام سے بھی دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

تقویٰ و پرہیزگاری

ڈاکٹر آسی خرم جہانگیری

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: ’’اے ایمان والو! اللہ سے ایسے ڈرتے رہا کرو جیسے اس سے ڈرنے کا حق ہے اور تمہاری موت صرف اسی حال پر آئے کہ تم مسلمان ہو اور تم سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور تفرقہ میں مت پڑو، اور اپنے اوپر اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اس نے تمہارے دلوں میں الفت پیدا کر دی اور تم اس کی نعمت کے باعث آپس میں بھائی بھائی ہوگئے، اور تم دوزخ کی آگ کے گڑھے کے کنارے پر پہنچ چکے تھے پھر اس نے تمہیں اس گڑھے سے بچا لیا، یوں ہی اللہ تمہارے لئے اپنی نشانیاں کھول کر بیان فرماتا ہے تاکہ تم ہدایت پا جاؤ۔‘‘

(سورۂ آل عمران ۱۰۲تا۱۰۴)

ان آیات میں اللہ رب العزت نے خصوصیت کے ساتھ اپنے بندوں کو تقویٰ اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس کے علاوہ سب کو اجتماعی طور پر دین پر مضبوطی سے عمل پیرا ہونے کی تلقین کی گئی ہے اور فرقہ واریت کا شکار ہونے سے منع فرمایا ہے۔ اب آیا یہ تقویٰ ہے کیا کہ جس کے اختیار کرنے کا اس آیت میں حکم دیا جارہا ہے۔

تقویٰ ’’وقی‘‘ اور ’’وِقایۃ‘‘ سے بنا ہے جس کا معنی ہے بچنا، حفاظت کرنا، پردہ کرنا اور خوف کرنا وغیرہ۔ ’’وقی‘‘ اور ’’وِقایۃ‘‘ کا معنی ہے کسی چیز کو ایذا اور ضرر سے محفوظ رکھنا۔ سورۂ دخان میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: ’’اللہ تعالیٰ نے انہیں عذاب دوزخ سے محفوظ رکھا۔‘‘

چنانچہ ’’تقویٰ‘‘ کا لغوی معنی ہے نفس کو اس چیز سے محفوظ رکھنا جس سے اسے ضرر کا خوف ہو۔

اصطلاحِ شریعت میں انسان کا ان کاموں سے بچنا جو اس کے لئے آخرت میں غضب خداوندی کا باعث ہوں، تقویٰ کہلاتا ہے۔ اپنے آپ کو اپنے رب کی ناراضی سے بچانا تقویٰ ہے۔ تقویٰ یعنی اللہ کا خوف تمام بھلائیوں کا مجموعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا کے وجود سے لے کر قیامت تک آنے والے تمام انس و جن کے لئے تقویٰ کی وصیت فرمائی ہے۔

تقویٰ ہی کل قیامت کے دن نجات دلانے والی کشتی ہے۔ تقویٰ مومنین کے لئے بہترین لباس اور بہترین زادِ راہ ہے۔ یہ وہ عظیم نعمت ہے، جس سے دل کی بندشیں کھل جاتی ہیں، جو راستے کو روشن کرتی اور اسی کی بدولت گمراہ بھی ہدایت پا جاتا ہے۔ تقویٰ ایک ایسا قیمتی موتی ہے کہ اس کے ذریعے برائیوں سے بچنا اور نیکیوں کو اختیار کرنا آسان ہو جاتا ہے۔

’’تقویٰ‘‘ کے متعلق حضرت عبداللہ بن عباسؓ ارشاد فرماتے ہیں کہ تقویٰ یہ ہے کہ انسان شرک، کبیرہ گناہ اور بے حیائی کے کاموں سے بچے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت امام حسنؓ فرماتے ہیں: ’’تقویٰ یہ ہے کہ تم ہر کسی کو اپنے سے بہتر سمجھو اور اپنے آپ کو ہر کسی سے حقیر اور کم تر جانو۔‘‘ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے صاحبزادے فرماتے ہیں: ’’تقویٰ صرف دن کو روزہ رکھ لینے اور رات کو عبادت کے لئے قیام کرنے کا نام نہیں، بلکہ تقویٰ یہ ہے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے، اس سے بچے اور جو فرض کیا ہے اسے ادا کرے۔‘‘

حضرت کعب الاحبارؓ سے حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے پوچھا: مجھے بتائیے تقویٰ کیا ہوتا ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ کیا آپ کبھی خار دار دشوار راستے سے گزرے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ہاں! تو حضرت کعب الاحبارؓ نے پوچھا، بتاؤ خاردار جھاڑیوں والے راستے سے گزرتے ہوئے تمہارا طریقہ کار کیا ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا: ڈرتا ہوں۔ دامن بچا کر چلتا ہوں یعنی نہایت احتیاط سے دامن سمیٹ سمیٹ کر قدم بچا بچا کر گزرتا ہوں، اس خدشے کے پیش نظر کہیں دامن چاک نہ ہو جائے، کہیں پاؤں زخمی نہ ہو جائے، جسم چھلنی نہ ہو جائے۔ حضرت کعب الاحبارؓ نے فرمایا: بس یہی تقویٰ ہے کہ گویا یہ دنیا ایک خار دار جنگل ہے، دنیاوی لذات اور خواہشات نفسانی اس کی خاردار جھاڑیاں ہیں جو ان خواہشات ولذات کے پیچھے چلا گیا، اس نے اپنا دامن تار تار کر لیا اور جو بچ گیا، وہ صاحبِ تقویٰ ہوا۔

تقویٰ کا اصل مرکز دل ہے، البتہ اس کا اظہار مختلف اعمال کے ذریعے ہوتا ہے۔ جیسا کہ

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: ’’تقویٰ یہاں ہے۔‘‘ (صحیح مسلم)

غرض تقویٰ اصل میں اللہ تعالیٰ سے خوف و رجاء کے ساتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کے مطابق ممنوعات سے بچنے اور اوامر پر عمل کرنے کا نام ہے۔ حضرت علیؓ کا ارشاد گرامی ہے: ’’معصیت پر اصرار نہ کرنا اور اپنی عبادت پر ناز و اعتماد نہ کرنا تقویٰ ہے۔‘‘

حضرت ابو درداؓ نے فرمایا: ’’تقویٰ ہر قسم کی بھلائی کا جامع ہے یہ وہ چیز ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے اولین و آخرین کو حکم دیا ہے۔‘‘

تقویٰ کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بخوبی ہو جاتا ہے کہ قرآنِ مجید میں دو سو چھتیس سے زائد آیات ایسی ہیں جن میں مختلف انداز میں تقویٰ ہی کا بیان ہے، اس کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بھی بخوبی ہو جاتا ہے کہ دنیا میں جتنے بھی انبیائے کرام علیہم السلام تشریف لائے، سب ہی نے اپنی اپنی امتوں کو تقویٰ اختیار کرنے کا حکم دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے پاک کلام کی متعدد آیات میں مختلف انداز سے تقویٰ یعنی اللہ سے ڈرنے کا حکم اور اس کی اہمیت و تاکید کو ذکر کیا ہے۔

ہمارے اسلاف کی زندگیاں تقویٰ و طہارت سے مزین تھیں، احکام شرع میں اپنی ذات کے بارے میں معمولی معمولی چیزوں میں بہت زیادہ احتیاط برتتے تھے۔ حضرت امام بخاریؒ فرماتے تھے کہ ’’جس وقت سے مجھے یہ معلوم ہوا کہ غیبت حرام ہے، میں نے کسی کی غیبت نہیں کی، قیامت کے دن غیبت کے بارے میں کسی کا ہاتھ میرے دامن میں نہیں ہوگا۔ احمد بن فقیہؒ کہتے ہیں کہ: ’’میں نے امام ابوالحسن اشعریؒ کی بیس سال خدمت کی، میں نے ان سے زیادہ محتاط، باحیاء، دنیوی معاملات میں شرمیلا اور امورِ آخرت میں مستعد نہیں دیکھا۔‘‘ (تاریخ دعوت و عزیمت)

امام ترمذیؒ تقویٰ، زہد اور خوف خدا اس درجہ رکھتے تھے کہ اس سے زیادہ کا تصور نہیں کیا جاسکتا، خوف الٰہی سے بکثرت روتے روتے آنکھوں کی بینائی جاتی رہی تھی۔ امام نسائیؒ کے حالات میں ہے کہ زہد و تقویٰ میں یکتائے روزگار تھے صوم داودی پر ہمیشہ عمل پیرا رہتے تھے۔

علامہ سید شریف جرجانیؒ اپنی مشہور و معروف کتاب ’’التعریفات‘‘ میں لکھتے ہیں کہ ’’آدابِ شریعت کی حفاظت کرنا اور ہر وہ کام جو تمہیں اللہ تعالیٰ سے دور کر دے، اس سے خود کو باز رکھنا تقویٰ ہے۔‘‘

دعا ہے کہ اللہ رب العزت ہم سب کو تقویٰ اختیار کرنے اور تمام گناہوں اور برائیوں سے حتی المقدور بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

☆☆......................☆☆

جامع مسجد عائشہ اور مولانا طوفانی رحمۃ اللہ علیہ

مرکز ختم نبوت جامع مسجد عائشہ مسلم ٹاؤن لاہور پر مرزائیوں کے لاہوری گروپ نے قبضہ کرلیا اور اپنا مرکز بنالیا۔ جب گارڈن ٹاؤن بنا تو لاہوریوں نے وہاں وسیع و عریض قطعۂ اراضی لے کر اپنا ہیڈ کوارٹر بنالیا اور جامع مسجد عائشہ کے تقدس کو پامال کرتے ہوئے فضول قسم کا لٹریچر، فیملی، جیسے بے ہودہ رسائل اس میں جمع کرلئے۔ ایک تبلیغی جماعت آئی گشت کے دوران مسجد کی دکانوں کے کرایہ دار جناب اشفاق حسین بٹ کو مسجد میں آنے کی دعوت دی۔ بٹ صاحب نے کہا کہ میں اس وقت تک تمہارے پروگرام میں شریک نہیں ہوں گا جب تک مسجد عائشہ واگزار نہیں کراتے، جماعت والوں نے کہا کہ مسجد کا کیا معاملہ ہے؟ بتلایا کہ مسجد پر لاہوری گروپ والوں نے ناجائز قبضہ کیا ہوا ہے۔ جماعت کے رفقاء میں سے ایک ساتھی نے مولانا عزیز الرحمٰن جالندھری مدظلہ کا نمبر دے دیا۔ جب حضرت ناظم اعلیٰ صاحب کو صورت احوال سے مطلع کیا گیا تو انہوں نے لاہور کے مبلغ مولانا کریم بخش علی پوریؒ کو ہدایات جاری فرمائیں۔ موصوف جائیداد کے قانوناً متولی سیّد اسد حسین شاہ مرحوم کو ملے۔ انہوں نے مجلس کے نام تولیت نامہ لکھ کر دیا۔ چنانچہ ۸/جون۱۹۹۰ء کو مولانا محمد اکرم طوفانی کی ماتحتی میں جماعتی رضا کاروں نے مسجد کو پاک صاف کیا، لاؤڈ اسپیکر لگوایا اور اذان جمعہ و نماز مولانا طوفانیؒ کی سرکردگی میں ادا کی گئی۔ مولانا طوفانیؒ تقریباً ایک ہفتہ تک مسجد کی آبیاری اور حفاظت میں لگے رہے تو مسجد عائشہ کی واگزاری، آرائش و زیبائش تعمیر و ترقی میں ان کا خاصا حصہ ہے۔ مولانا جب بھی لاہور تشریف لاتے جامع مسجد عائشہ میں ضرور تشریف لاتے، لاہور میں ان کی رہائش تو ملک فیاض اخترؒ کے ہاں ہوتی، لیکن ناممکنات سے تھا کہ مولانا لاہور آئیں مسجد عائشہ تشریف نہ لائیں۔ گفتگو کا طریقہ وسلیقہ ان کا اپنا تھا جو دلوں کو موہ لیتا، مولانا کی باقیات الصالحات میں جہاں سرگودھا دفتر، خاتم النبیین ہارٹ سینٹر، جامع مسجد ختم نبوت سرگودھا ہیں وہاں ان کی باقیات میں جامع مسجد عائشہ بھی ہے۔ ۱۲/جنوری کو راقم لاہور آیا تو مسجد کے ایک نمازی خالد محمود نے اس طرف متوجہ کیا تو یہ چند سطریں تحریر کردیں۔ اللہ پاک انہیں کروٹ کروٹ جنت الفردوس نصیب فرمائیں۔ آمین یا الٰہ العالمین۔ (مولانا محمد اسماعیل شجاع آبادی)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ

مولانا محمد اسماعیل ریحان

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ خیرالقرون کے ان علماء کبار میں سے ہیں جن کے احسانات علوم اسلامیہ کے ہر شعبے اور ہر شاخ پر ہیں۔ انہیں حبر الامت کہہ کر یاد کیا جاتا ہے۔

آپ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سگے چچا حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے فرزند ہیں۔ ہجرت سے پہلے شعب ابی طالب میں بنوہاشم کی قید کے دنوں میں پیدا ہوئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے گھٹی دی، منہ میں اپنا لعاب مبارک ڈالا، آپ کی والدہ ام فضل لبابہ بنت الحارث رضی اللہ عنہا، ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی والدہ یہ تینوں خواتین آپس میں سگی بہنیں تھیں۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے وقت تین سال کے تھے، ان کے خاندان نے ہجرت نہیں کی تھی، بلکہ اس وقت تک ان کے والد حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اسلام ظاہر بھی نہیں کیا تھا۔

(سیر اعلام النبلاء، ۲/۳۳۱۔۳۳۲، ط: الرسالۃ)

ذوالقعدہ ۷ ہجری میں عمرۂ قضا کے موقع پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ سے ۱۲ کلومیٹر دور ''سَرِف'' کے مقام پر ان کی خالہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا تھا۔ اس نکاح کے انتظامات میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور ان کی اہلیہ پیش پیش تھے۔ (سنن نسائی مجتبیٰ، ح:۳۲۷۲، سیر اعلام النبلاء: ۲/۲۳۹، ط: الرسالۃ)

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اس وقت دس برس کے تھے۔

اگلے سال فتح مکہ ۸ ہجری کے اواخر میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ اپنے خاندان سمیت مدینہ منتقل ہوگئے۔ اس وقت عبداللہ بن عباس

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ تیرہ برس کے تھے۔ اس لئے انہیں پوری طرح استفادے کا موقع نہیں ملتا تھا، مگر علوم نبوت کی جستجو دل میں جاگ چکی تھی۔ اس لئے ایک ایک صحابیؓ کے پاس جا کر احادیث یاد کرنا شروع کیں

رضی اللہ عنہ کی عمر گیارہ سال تھی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے انہیں تقریباً ڈھائی سال استفادہ کا موقع ملا۔ قریبی رشتہ داری کی وجہ سے ہر وقت بارگاہ رسالت میں حاضر ہوسکتے تھے۔

(سیر اعلام النبلاء: ۳/۳۳۲)

اس مختصر سی مدت میں ہی ان کی عملی جستجو اور طالب علمانہ ذوق کا اندازہ ہوگیا، کبھی کبھی اپنی خالہ سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کے ہاں رات کو بھی ٹھہر جاتے تاکہ معمولات نبویہ کا مشاہدہ کریں۔ اس دوران ہر ممکن خدمات بھی انجام دیتے اور دعائیں لیتے۔ ایک بار اسی طرح بیتِ نبوی میں ٹھہرے ہوئے تھے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کے لئے ایک برتن میں پانی ڈال کر رکھ دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو دریافت فرمایا: ''پانی کس نے رکھا ہے؟'' حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: عبداللہ بن عباسؓ نے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی:

''اللّٰھم فقھه فی الدین وعلمه التاویل۔'' (فضائل الصحابہ لاحمد بن حنبل، ح:۱۸۵۸، صحیح البخاری، ح:۱۴۳، کتاب الوضوء، باب وضع الماء عند الخلاء)

ترجمہ: ''اے اللہ! اسے فقہ دین اور علم تفسیر عطا فرما۔''

ایک بار معمولات نبویہ دیکھنے کے لئے خالہ کے گھر رکے اور تہجد کے وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہی اٹھ گئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نوافل کے لئے کھڑے ہوئے تو یہ اقتدا کے لئے پیچھے کھڑے ہوگئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں کھینچ کر اپنے برابر کھڑا کردیا۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز شروع کی تو یہ پھر ذرا سا پیچھے ہٹ گئے۔ جب

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا: ’’یہ کیا کیا؟‘‘

انہوں نے عرض کیا: ’’او ینبغی لاحد ان یصلی حذائک وانت رسول اللّٰہ؟‘‘ … کسی کو کہاں زیب دیتا ہے کہ آپ کے برابر کھڑے ہوکر نماز پڑھے، جب کہ آپ اللہ کے رسول ہیں…۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ذہانت اور فہم سے خوش ہوکر دعا دی: ’’اے اللہ! ان کے علم اور سمجھ میں اضافہ فرمایا۔‘‘ (مسند احمد، ج:۶، ۳۰۶، الرسالۃ)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ تیرہ برس کے تھے۔ اس لئے انہیں پوری طرح استفادے کا موقع نہیں ملا تھا، مگر علوم نبوت کی جستجو دل میں جاگ چکی تھی۔ اس لئے ایک ایک صحابیؓ کے پاس جا کر احادیث یاد کرنا شروع کیں، خود فرماتے تھے:

’’جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوگیا تو میں نے ایک انصاری ساتھی سے کہا: آؤ! صحابہ سے احادیث سیکھیں، آج وہ بڑی تعداد میں موجود ہیں۔‘‘

ساتھی نے کہا: ’’تعجب ہے کہ کیا تم سمجھتے ہو کہ لوگوں کو مستقبل میں تمہاری ضرورت پڑے گی اور لوگ تمہارے پاس احادیث اور مسائل معلوم کرنے آئیں گے؟‘‘

اس ساتھی نے اس کام کو کوئی اہمیت نہ دی اور میں اس میں دھن میں لگ گیا، صحابہ کرام سے احادیث معلوم کرتا رہتا تھا۔ بعض اوقات کسی صحابی کے بارے میں مجھے معلوم ہوتا کہ ان کے پاس کوئی حدیث ہے میں ان کے دروازے پر جاتا، وہ سورہے ہوتے تو میں دروازے پر بیٹھ جاتا یا چادر سر کے نیچے رکھ کر لیٹ جاتا، جب وہ باہر نکلتے تو کہتے: ’’اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد! آپ کس ضرورت کے تحت یہاں تشریف لائے؟ مجھے بلوا کیوں نہیں لیا؟‘‘ میں کہتا: ’’حاضر ہونا میری ذمہ داری ہے۔‘‘ پھر حدیث معلوم کرتا۔

آخر وہ زمانہ آیا کہ اس انصاری ساتھی نے دیکھا کہ لوگ میرے اردگرد جمع ہیں اور مجھ سے احادیث ومسائل دریافت کررہے ہیں۔ یہ دیکھ کر اس ساتھی نے کہا: ’’یہ نوجوان زیادہ سمجھ دار ثابت ہوا۔‘‘ (الاصابہ:۴/۱۲۵، ط:العلمیۃ)

جن صحابہ سے کچھ سیکھتے ان کا ویسا ہی ادب کرتے جیسا کوئی اپنے اساتذہ کا کیا کرتا ہے۔ ایک بار حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی سواری کی لگام تھام لی۔ انہوں نے فرمایا: ’’رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد ایسا نہ کریں۔‘‘

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ’’ھکذا امرنا ان نفعل بعلمائنا۔‘‘… ہمیں اپنے علماء کا ایسا ہی احترام کرنے کا حکم دیا گیا ہے…۔‘‘

حضرت زید رضی اللہ عنہ نے اسی وقت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں کو چوم کر فرمایا: ’’ھکذا امرنا ان نفعل باھل بیت نبینا۔‘‘… ہمیں خاندانِ نبوت کے ساتھ ایسی ہی تعظیم کا حکم دیا گیا ہے…۔ (الاصابۃ:۴/۱۲۷)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما عنفوانِ شباب میں تھے۔ اس کے باوجود خلیفۂ ثانی انہیں خصوصی مجلسوں میں اکابر صحابہؓ کے ساتھ شریک کرتے تھے۔ پیچیدہ مسائل میں ان کی رائے اور فیصلے کو اہمیت دیتے تھے۔ ان کے والد گرامی حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے یہ دیکھ کر ایک بار فرمایا: ’’میں دیکھتا ہوں کہ امیرالمؤمنین تمہیں خلوت میں بلاتے ہیں، تم سے مشورہ لیتے ہیں اور اکابر صحابہؓ پر تمہیں ترجیح دیتے ہیں۔ میں تمہیں چار باتوں کی نصیحت کرتا ہوں، کبھی ان کا راز فاش نہ کرنا، کبھی وہ تم سے جھوٹ سننے نہ پائیں۔ ان کے سامنے کسی کی غیبت نہ کرنا، ان کی خیرخواہی کی بات ان سے کبھی مت چھپانا۔‘‘

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے ان میں سے ہر ایک بات کو ہزاروں نصیحتوں سے زیادہ اہمیت دی اور خلفائے راشدین کے مشیر خاص رہے۔ (عیون الاخبار لابن قتیبۃ الدینوری:۱/۴۳، ط:دارالکتب العلمیۃ)

ایک بار کسی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے گلہ کیا کہ: ’’آپ ابن عباسؓ کو شریک کرتے ہیں، ہمارے بچوں کو نہیں؟‘‘

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ’’وہ نوجوان ہونے کے باوجود پختہ فکر، ذہین اور دور اندیش ہے۔‘‘ (الاصابۃ:۴/۱۲۷)

اکابر صحابہؓ ان کی صلاحیتوں کے قائل تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے تھے: ’’اگر وہ ہمارے ہم عمر ہوتے تو ہم میں سے کوئی ان کی برابری نہ کرسکتا۔‘‘

یہ بھی فرماتے: ’’قرآن مجید کے بہترین مفسر ابن عباس رضی اللہ عنہ ہیں۔‘‘ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے تھے: ’’انہ لغواص‘‘…وہ علم کے سمندر سے موتی نکالنے والے ہیں…۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا قول ہے: ’’عبداللہ بن عباسؓ حج کے مسائل سب سے

زیادہ جانتے ہیں۔‘‘

عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: ’’میں نے ابن عباسؓ جیسا شخص کبھی نہیں دیکھا۔‘‘

حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ کا قول ہے: ’’عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ علم کا سمندر تھے۔‘‘

مسروق رضی اللہ عنہ کہتے تھے: ’’جب میں ان کا چہرہ دیکھتا تو کہہ اٹھتا: یہ حسن و جمال میں بے مثال ہیں، وہ گفتگو کرتے تو میں انہیں سب سے فصیح و بلیغ پاتا۔ جب حدیث بیان کرتے تو میں پکار اٹھتا کہ سب سے بڑے عالم ہیں۔‘‘

اعمش رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں سورۂ نور کی تفسیر بیان کرتے سنا تو بے ساختہ بولے: ’’اگر روم و فارس والے یہ بیان سن لیتے تو اسلام قبول کر لیتے۔‘‘ (الاصابۃ:۴/۱۲۸)

آپ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بھی معتمد مشیر رہے۔ دورِ خلافت میں جہادِ افریقا میں شریک ہوئے، وہاں کے بادشاہ جرجیر سے بات چیت کے لئے آپ کو بھیجا گیا۔ آپ کی عالمانہ باتوں اور فصاحت و بلاغت سے متاثر ہو کر جرجیر کہہ اٹھا: ’’آپ عرب کے یکتائے روزگار عالم ہیں۔‘‘ (الاصابۃ:۴/۱۳۱)

۳۵ ہجری میں حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ نے اپنے گھر کے محاصرے کے دوران انہی کو امیر حج مقرر فرمایا۔ (تاریخ الطبری،۳۵ھ)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور میں آپ ان کے دستِ راست رہے اور بصرہ کے امیر مقرر ہوئے۔ اس وقت آپ کی عمر تقریباً چالیس سال تھی۔ علمائے بصرہ کہتے تھے کہ ہم نے انہیں حدیث، فقہ، تفسیر، شعر، ریاضی، علم میراث، سیرت و تاریخ سمیت تمام علمی کمالات میں بے نظیر پایا۔ (اسد الغابہ:۳/۲۹۱،ط:العلمیۃ)

بصرہ میں آپ نے درس حدیث کا حلقہ قائم کیا، رمضان المبارک میں آپ کے پاس دورۂ فقہ کے لئے ذی استعداد طلبہ کا ہجوم ہو جاتا تھا۔ مہینہ گزرنے سے پہلے آپ انہیں فقیہ بنا دیتے تھے۔ (الاصابۃ:۴/۱۲۹)

درس کا انداز بڑا ہی دل آویز ہوا کرتا تھا۔

حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے: ’’میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے حدیث سنتا تھا۔ وہ اس عالمانہ اور والہانہ انداز سے حدیث سناتے کہ اگر وہ اجازت دیتے تو میں ان کے سر کو بوسہ دے دیتا۔‘‘ (الاصابۃ:۴/۱۲۹)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد آپ مدینہ تشریف لے گئے اور سیاسی امور سے لاتعلق ہو کر خود کو علوم دینیہ کی خدمت کے لئے وقف کر دیا۔ یہاں آپ کا حلقۂ درس اتنا مقبول ہوا کہ ہر طرف سے شاگرد اُمڈ آتے تھے۔

ان کے ایک شاگرد فرماتے تھے: ’’وہ چند باتوں میں تمام لوگوں پر فوقیت رکھتے تھے۔ ان سے پہلے جس قدر احادیث منقول ہوئی تھیں انہیں ان کا علم تھا۔ علم فقہ میں بھی ان کو برتری تھی۔ حلم اور بردباری میں، علم انساب میں اور تاویل و تفسیر میں سب سے فائق تھے۔ حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے فیصلوں کو ان سے زیادہ کوئی نہیں جانتا تھا، وہ ایک دن بیٹھتے تھے اور سوائے فقہ کے اس دن کچھ بیان نہیں کرتے تھے، ایک دن ان کا موضوع سخن صرف تفسیر ہوا کرتا تھا، ایک دن ان کی مجلس کا موضوع صرف اشعار ہوا کرتے تھے، ایک دن ان کا موضوع تاریخ عرب ہوتا تھا۔ (اسد الغابہ:۳/۲۹۱)

آخری چند سالوں میں جب عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور عبدالملک کی کشمکش جاری تھی، آپ طائف منتقل ہو گئے اور وہیں ۶۸ ہجری میں انتقال فرمایا۔ اس وقت آپ کی عمر ۷۱ برس تھی، محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہ نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی۔ (الاصابہ:۴/۱۲۵تا۱۳۳) ☆☆

اظہارِ تعزیت

لاہور.... عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے مرکزی رہنما مولانا عزیز الرحمٰن ثانی، مبلغ ختم نبوت مولانا عبدالنعیم، سرپرست لاہور قاری جمیل الرحمٰن اختر، سیکریٹری جنرل مولانا علیم الدین شاکر، نائب امیر لاہور پیر میاں محمد رضوان نفیس، حافظ محمد اشرف گجر، مولانا خالد محمود نے جمعیت علماء اسلام کے ڈپٹی سیکریٹری جنرل مولانا محمد امجد خان کے چچا جان مولانا قاضی محمد صادق اور جامعہ قاسم العلوم فقیر والی بہاول نگر کے مہتمم شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد قاسم قاسمی، مولانا عبداللہ درخواستی رحمہ اللہ کے بیٹے مولانا مطیع الرحمٰن درخواستی، جامع مسجد انارکلی لاہور کے خطیب مولانا مفتی محمود میاں کے بیٹے کے انتقال پر تعزیت کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ مذکورہ علماء کرام زہد و تقویٰ اور علم و عمل کے پیکر تھے مرحومین اسلاف کے نمونہ اور جید عالم دین تھے، تمام زندگی اسلام کی اشاعت، تبلیغ اور دین اسلام کی خدمت میں گزاری۔ علماء کرام نے کہا کہ وہ تمام مرحومین کے غم میں برابر کے شریک ہیں۔ انہوں نے تمام مرحومین کے لئے مغفرت، جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام اور تمام لواحقین کے لئے صبر جمیل کی دعا کی۔

قادیانیت کا اصل چہرہ

جناب مجید نظامی مرحوم

پاکستان ایک اسلامی ملک ہے جس کا سرکاری مذہب اس کے آئین کی رو سے اسلام قرار دیا گیا ہے۔ اسلامی تعلیمات میں عقیدۂ توحید اور عقیدۂ ختم نبوت بنیادی اہمیت کے حامل ہیں۔ مسلمانوں کے نزدیک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے آخری نبی ہیں اور ان کے بعد کوئی نبی نہیں۔ ختم نبوت کا یہ عقیدہ تاریخ کے ہر دور میں، ہر مسلک کے مسلمانوں کے درمیان متفقہ طور پر موجود رہا ہے۔ اجماع امت کے حامل مسلمانوں کے اس عقیدے سے انحراف نہ صرف قرآن وسنت کی تعلیمات کے خلاف ہے بلکہ یہ اتحادِ امت کو پارہ پارہ کرنے کی مذموم کوشش کے مترادف بھی ہے۔ اس عقیدہ کا تحفظ وطن عزیز کی جغرافیائی حدود کی حفاظت سے بھی زیادہ لازمی ہے۔ یوں تو لاتعداد مسلمانوں نے تحفظِ ختم نبوت صلی اللہ علیہ وسلم کی ترجمانی کا فریضہ سرانجام دیا ہے مگر میں یہاں مفکر پاکستان حضرت علامہ اقبالؒ کے ان کلمات کا ذکر کرنا چاہوں گا جو انہوں نے پنڈت جواہر لال نہرو سے بحث کے دوران ادا کئے تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ ”حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت پر ایمان لائے بغیر کسی مسلمان کا ایمان کامل نہیں ہوسکتا اور اب جو کوئی، کسی بھی قسم کا دعویٰ نبوت کرتا ہے، وہ جھوٹا، کاذب، کافر اور مرتد ہے۔“ ربوہ والے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بجائے نعوذ باللہ مرزا صاحب کی ختم نبوت پر ایمان رکھتے ہیں۔ جب وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم بھی ختم نبوت کے قائل ہیں تو ان کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ مرزا صاحب کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا اور یہی وجہ ہے کہ پہلے قادیان اور اب ربوہ میں صرف ”خلیفے“ آرہے ہیں کوئی نبی نہیں آیا۔ لاہوری حضرات مرزا صاحب کو نبی نہیں صرف مصلح قرار دیتے ہیں حالانکہ مرزا صاحب نے دعویٰ نبوت کیا تھا اور ان کی جھوٹی نبوت پر ایمان لانے والے لوگ بھی خاصی تعداد میں موجود ہیں۔ ظاہر ہے کہ جھوٹی نبوت کے دعویدار کو مصلح ماننے والے بھی انہی کے بھائی بند ہوسکتے ہیں اور انہی کی صف میں شامل ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ قادیانی مسئلہ دورِ غلامی کی یادگار ہے۔ اگر ہم غلام نہ ہوتے تو یہ مسئلہ کبھی پیدا نہ ہوتا۔ گزشتہ تیرہ سوسال میں کسی بھی آزاد اسلامی یا مسلمان ملک میں یہ مسئلہ پیدا نہیں ہوا۔ کسی بھی اسلامی یا مسلمان ملک میں کسی دیوانے یا پاگل نے بھی دعویٰ نبوت کی جرأت نہیں کی۔ ایران میں بہائی مذہب کے بانی کا جو حشر ہوا، اس سے کون ناواقف ہے؟ بہاء اللہ نے خود ہی اپنے آپ کو اسلام سے خارج کرلیا۔ مسلمان کہلانے کی اسے بھی جرأت نہ ہوئی لیکن ایران نے اس کے باوجود اسے اور اس کے مقلدین کو برداشت نہ کیا۔ ہمیں افسوس ہے کہ آزادی کے بعد ۲۶، ۲۷ سال تک ہم نے اس مسئلہ کو حل کرنے کی کوشش نہ کی، حالانکہ ہم نے یہ ملک اللہ، اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کے نام پر حاصل کیا تھا۔ اگر ختم نبوت پر ہمارا جزو ایمان ہے تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین ماننے کے بعد ختم نبوت کی مختلف تاویلیں کرتے ہوئے دعویٰ نبوت کرنے والے اور اس جھوٹے نبی کی امت کے لئے پاکستان میں کیا جگہ رہ جاتی ہے؟ یہ پنجاب کی بدقسمتی تھی کہ یہ پودا اس سرزمین میں ہی لگ سکا اور اس نے یہیں نشوونما پائی۔ یہ پنجابیوں کی مذہب کے معاملے میں سادہ لوحی اور اسلام کی طرف سے عطا کردہ فراخدلی کا نتیجہ تھا کہ انگریز کا یہ خود کاشتہ پودا تناور درخت بن گیا۔

قادیانیوں کی امنگوں اور آرزوؤں کا مرکز قادیان ہے جو بھارت میں واقع ہے۔ یہ تصور ان کا جزو ایمان ہے کہ وہ ایک نہ ایک دن ضرور واپس قادیان جائیں گے۔ ان کے قادیان جانے کے دو ہی طریقے ہوسکتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ قادیانی حضرات مشرقی پنجاب کو بزور بازو فتح کر کے قادیان پہنچیں، یہ بڑی ناقابل عمل سی بات ہے، ویسے بھی قادیانی حضرات جہاد پر یقین نہیں رکھتے اور ان سے توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ لڑ کر مشرقی پنجاب فتح کرسکیں۔ دوسرا ذریعہ اکھنڈ بھارت کا ہے یعنی مغربی پاکستان بھی خدانخواستہ بھارت کا حصہ بن جائے یا پنجاب اور تین پاکستانوں میں تقسیم ہو جائے۔ جنہیں بھارت کی زیرِ سرپرستی

بنگلہ دیش جیسا درجہ حاصل ہو جائے۔ ہمارے خیال میں یہ صورت کسی بھی باغیرت پاکستانی کو پسند نہیں ہوگی۔

قادیانیت کی تاریخ سے شناسا لوگوں کو علم ہوگا کہ قادیانیت کی تحریک کا واحد مقصد دنیا کے مسلمانوں کو احمدی بنانا تھا۔ وہ ہندوستان کو اس لئے اکھنڈ رکھنا چاہتے تھے کہ ''وسیع بیس'' سے اس مقصد کے لئے کام کیا جائے۔ وہ برصغیر کی تقسیم کو عارضی سمجھتے تھے۔ ان کے عزائم کی تصدیق قادیانیوں کے ترجمان روزنامہ الفضل قادیان کے ۱۵/اپریل ۱۹۴۷ء کے اس شمارے سے بخوبی ہو جاتی ہے جس میں قادیانی جماعت کے دوسرے سربراہ مرزا بشیرالدین محمود کا سرظفر اللہ چوہدری کے بھتیجے کے نکاح کے موقع پر خطبہ شائع ہوا تھا۔ اس خطبہ میں قادیانی جماعت کے سربراہ نے بڑے واضح الفاظ میں کہا تھا کہ:

''ہمیں کوشش کرنی چاہیے کہ ہندو مسلم سوال اٹھ جائے اور ساری قومیں شیر وشکر ہو کر رہیں تاکہ ملک کے حصے بخرے نہ ہوں..... ممکن ہے عارضی طور پر کچھ افتراق پیدا ہو اور دونوں قومیں جدا رہیں مگر یہ حالت عارضی ہوگی اور ہمیں کوشش کرنی چاہیے کہ جلد دور ہو جائے۔ بہرحال ہم چاہتے ہیں کہ اکھنڈ ہندوستان بنے اور ساری قومیں باہم شیر وشکر رہیں۔''

سماجی اور سیاسی اعتبار سے یہ فرقہ خود کو سوادِاعظم سے الگ تصور کرتا ہے۔ واقعات کے لحاظ سے یہ گروہ برطانیہ، اسرائیل اور بھارت کے ففتھ کالمسٹ کی حیثیت رکھتا ہے جو پاکستان میں سرگرم عمل ہے اور اس کی وفاداری بھی مشکوک ہے۔ انہوں نے تقسیم ہند کے بعد سے جان بوجھ کر اپنی جماعت کا ایک حصہ قادیان میں متعین کر رکھا ہے تاکہ ضرورت پڑنے پر ان سے کام لیا جائے۔ قادیانی حضرات خود ہی اپنے آپ کو مسلمانوں سے الگ سمجھتے ہیں، وہ مسلمانوں کو اپنے میں سے نہیں سمجھتے، ان کے ساتھ شادی بیاہ نہیں کرتے، ان کی نماز اور جنازے میں شرکت نہیں کرتے۔ ان کی دعا میں ان کے ساتھ ہاتھ اٹھا کر شامل ہونا پسند نہیں کرتے۔ ایسے طرز عمل کے بعد انہیں بطور مسلمان وہ تمام مراعات حاصل کرنے کا حق نہیں ہونا چاہیے جو انہیں دفاعی اور سول ملازمتوں میں میسر ہیں یا بینکنگ، صنعت اور زندگی کے دیگر تمام دوسرے شعبوں میں حاصل ہیں۔

قادیانی جماعت میں سے زیادہ پڑھا لکھا اور روشن خیال سرظفر اللہ چوہدری تھے لیکن انہوں نے بھی بانی پاکستان بابائے قوم حضرت قائدِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی نمازِ جنازہ میں شرکت کرنے کی بجائے غیر مسلم سفیروں کے ساتھ زمین پر بیٹھنا پسند کیا تھا اور جب ان سے پوچھا گیا کہ آپ وزیرِ خارجہ ہیں لیکن جنازہ میں شریک نہیں ہوئے، اس کی وجہ کیا ہے؟ اس پر سر ظفر اللہ خاں نے کہا کہ: ''مجھے کافر حکومت کا مسلمان وزیر خارجہ سمجھ لیا جائے یا مسلمان حکومت کا کافر وزیرِ خارجہ۔'' عقیدہ کے لحاظ سے اس سے بڑھ کر کسی کی پختہ زناری اور کیا ہوسکتی ہے؟ اس طرح انہوں نے تاریخ میں یہ شہادت ریکارڈ کروائی کہ مسلمانوں کا مذہب الگ ہے اور قادیانی ان سے الگ ایک نئے مذہب کے پیروکار ہیں۔

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ اس گروہ کو یہودیت کا چربہ قرار دیتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں:

''کسی مذہبی تحریک کی اصل روح ایک دن میں نمایاں نہیں ہو جاتی۔ اچھی طرح ظاہر ہونے کے لئے برسوں چاہئیں۔ تحریک کے دو گروہوں کے باہمی نزاعات اس امر پر شاہد ہیں کہ خود ان لوگوں کو جو بانی تحریک کے ساتھ ذاتی رابطہ رکھتے تھے، معلوم نہ تھا کہ تحریک آگے چل کر کس راستہ پر پڑ جائے گی؟ ذاتی طور پر میں اس تحریک سے اس وقت بیزار ہوا تھا۔ جب ایک نئی نبوت....، بانی اسلام کی نبوت سے اعلیٰ نبوت.... کا دعویٰ کیا گیا اور تمام مسلمانوں کو کافر قرار دیا گیا۔ بعد میں یہ بیزاری بغاوت کی حد تک پہنچ گئی، جب میں نے تحریک کے ایک رکن کو اپنے کانوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق نازیبا کلمات کہتے سنا۔ درخت جڑ سے نہیں، پھل سے پہچانا جاتا ہے۔'' (''سن رائز کے جواب میں'' حرف اقبال از لطیف شیروانی)

علامہ صاحب مزید فرماتے ہیں:

''ثانیاً ہمیں قادیانیوں کی حکمت عملی اور دنیائے اسلام سے متعلق ان کے رویہ کو فراموش نہیں کرنا چاہئے۔ بانی تحریک نے ملت اسلامیہ کو سڑے ہوئے دودھ سے تشبیہ دی تھی اور اپنی جماعت کو تازہ دودھ سے اور اپنے مقلدین کو ملت اسلامیہ سے میل جول رکھنے سے اجتناب کا حکم دیا تھا۔ علاوہ بریں ان کا بنیادی اصولوں سے انکار، اپنی جماعت کا نیا نام (احمدی)، مسلمانوں کی

قیام نماز سے قطع تعلق، نکاح وغیرہ کے معاملات میں مسلمانوں سے بائیکاٹ اوران سب سے بڑھ کر یہ اعلان کہ دنیائے اسلام کافر ہے، یہ تمام امور قادیانیوں کی علیحدگی پر دال ہیں بلکہ واقعہ یہ ہے کہ وہ اسلام سے اس سے کہیں دور ہیں، جتنے سکھ، ہندوؤں سے، کیونکہ سکھ ہندوؤں سے باہمی شادیاں کرتے ہیں۔ اگرچہ وہ ہندوؤں میں پوجانہیں کرتے۔‘‘ (’’اسٹیٹسمین کے جواب میں‘‘حرف اقبال ازلطیف شیروانی)

بھٹوحکومت کے دور میں ستمبر۱۹۷۴ء میں پارلیمنٹ میں بڑی مفصل بحث کے بعد مرزا غلام احمد قادیانی کے پیروکاروں کو غیرمسلم قرار دے دیا گیا تھا۔ بھٹوحکومت نے اس طرح نوے سالہ پرانا مسئلہ حل کرنے کی سعادت حاصل ہونے کا بھی دعویٰ کیا تھا۔ یہ دعویٰ بے جا بھی نہیں تھا لیکن اس آئینی ترمیم کے بعد مروجہ تعزیرات میں ترمیم کے لئے جن قانونی اقدامات کی ضرورت تھی، ان کے اہتمام کو بوجوہ موخر کردیا گیا تھا۔ اس مقصد کے لئے اس زمانے میں قومی اسمبلی میں ایک نجی مسودہ قانون بھی پیش کیا گیا لیکن اسے دبا دیا گیا تھا اور اس طرح مسلمانوں کے اس ضمن میں یہ مطالبات پورے نہ ہوسکے اور دس سال تک وجہ اضطراب بنے رہے۔ بعدازاں حکومت پاکستان کی طرف سے امتناع قادیانیت کے نام سے نافذ کئے جانے والے آرڈی ننس سے قانونی اقدامات پورے ہوگئے۔ اس آرڈی ننس کے نفاذ نے مسلمانوں کے مطالبہ، توقع اور خواہش پورا کرنے والے قانونی اور منطقی اقدام کا اہتمام کیا۔

(ثبوت حاضر ہیں ازمحمد متین خالد صاحب)

مولانا مفتی محمد داؤد کی وفات

مفتی محمد داؤدؒ ۱۹۳۸ء میں مانانوالہ شیخوپورہ میں پیدا ہوئے۔ آپ ایک صحیح العقیدہ مسلمان تھے۔ آپ کے ایک قریبی عزیز چوہدری بشیر قادیانی تھے۔ ایم پی اے کی سیٹ پر ۱۹۷۰ء کے الیکشن میں کھڑے ہوئے۔ ان دنوں ۱۹۷۰ء میں جناب ذوالفقار علی بھٹو مرحوم کا طوطی بولتا تھا، لوگ بھٹو کے علاوہ کسی اور کی بات سننے کے لئے تیار نہ تھے۔ قادیانیوں نے من حیث الجماعت پاکستان پیپلز پارٹی کی ووٹ اور نوٹ دونوں سے امداد کا فیصلہ کیا، چناں چہ کئی ایک سیٹوں کا قادیانیوں نے پیپلز پارٹی کے ٹکٹ پر الیکشن میں حصہ لیا۔ ان میں ایک حلقہ شاہ کوٹ مانانوالہ کا بھی تھا۔

ہمارے حضرت مولانا اللہ وسایا مدظلہ ان دنوں فیصل آباد میں مبلغ تھے۔ شاہ کوٹ کے مولانا عبداللطیف، مانانوالہ کے چوہدری محمد داؤد نے جو آگے چل کر مفتی محمد داؤد بنے، صوبائی اسمبلی کے پورے حلقہ میں انجام کی پرواہ کئے بغیر دن رات محنت کی۔

موصوف نے مانانوالہ سے لاہور جامعہ اشرفیہ فیروز پور روڈ کے قریب دکان خرید لی اور رہائش لاہور منتقل کرلی۔ موصوف نے اپنے ایک بیٹے علی داؤد کو جامعہ اشرفیہ میں داخل کرادیا اور خود شیخ الحدیث، صوفی باصفاء، استاذ العلماء حضرت مولانا صوفی محمد سرور نوراللہ مرقدہ کے ہاتھ پر بیعت ہوگئے اور اتنے فنافی الشیخ ہوئے کہ جامعہ میں داخلہ لے لیا۔ آپ کے بیٹے علی داؤد سلمہ نے دورۂ حدیث شریف پہلے کیا اور علی داؤد سے مولانا علی داؤد ہوگئے اور محمد داؤد نے بعد میں دورۂ حدیث شریف کرکے مولانا کی ڈگری حاصل کی اور پھر جامعہ سے افتاء بھی کیا۔ چوہدری محمد داؤد سے مولانا محمد داؤد اور مولانا محمد داؤد سے مفتی محمد داؤد کے منصب پر فائز ہوگئے۔ خداداد صلاحیتوں سے جامعہ میں ہی دارالافتاء میں فتویٰ نویسی کا شرف نصیب ہوا۔ بہت ہی صالح انسان تھے پھر حضرت صوفی صاحبؒ کی صحبت نے انہیں کندن بنادیا بلکہ حضرت صوفی صاحبؒ سے خلافت بھی نصیب ہوئی، راقم ان سے بارہا ملا۔ ختم نبوت کی برکت سے راقم سے بہت محبت فرماتے کافی عرصہ سے کمزوری تھی جو جان لیوا ثابت ہوئی۔ آپ کا معمول تھا گرمی ہو یا سردی رات دو بجے اٹھ کھڑے ہوتے، چناں چہ جمعرات ۷/جنوری رات دو بجے حسب معمول جاگے تاکہ تہجد اور اپنے معمولات پورے کریں، دو بج کر ۳۵ منٹ پر روح قفس عنصری سے پرواز کرگئی، چناں چہ ۷/جنوری ۲۰۲۲ء جمعہ کی نماز کے فرضوں کے بعد جامعہ کی مسجد الحسن میں جامعہ کے مہتمم مولانا فضل الرحیم مدظلہ کی اقتداً میں ان کی نماز جنازہ ادا کی گئی اور شیر شاہ اچھرہ لاہور کے قبرستان میں ان کے شیخ حضرت صوفی صاحبؒ کے قریب تدفین ہوئی۔ ’’عاش سعیداً ومات سعیداً‘‘ کا مصداق ہوئے۔

مولانا محمد اسماعیل شجاع آبادی

امریکی نژاد قادیانیوں کے پاکستان میں قتل

ایک قادیانی جال

جناب ساجد غنی اعوان

قادیانی خاتون وجیہہ فاروق سواتی کا تعلق ضلع مانسہرہ کے ایک گاؤں داتا سے تھا۔ان کے والد فاروق محکمہ تعمیرات عامہ (سی اینڈ ڈبلیو) میں کلرک تھے۔یہ ایمپائر سینما کے عقب میں دو کمروں کے چھوٹے سے سرکاری کوارٹر میں اپنی تین بیٹیوں، دو بیٹوں اور زوجہ شفیعہ کے ساتھ رہتے تھے۔موصوف شراب نوشی، جوئے کی لت اور بدکاری کے کاموں کی وجہ سے شہر بھر میں بدنام تھے۔ وجیہہ کے دادا عبدالسبوح ضلع کچہری ایبٹ آباد میں عرائض نویس تھے۔ان کی ابتدائی تعلیم قادیان کی بتلائی جاتی ہے۔ ایبٹ آباد کچہری کے قریب ہی ایک کرایہ کے مکان میں رہتے تھے۔وجیہہ فاروق کے پردادا عبدالغنی مرزا غلام احمد قادیانی کے اوّلین مصاحبین میں سے تھے۔خاندانی طور پر یہ ''مولوی'' خاندان کہلاتا تھا۔علاقہ کے زمینداروں نے اس خدمت کے عوض اس خاندان کو گزر بسر کے لئے ''سیری'' زمینیں عطا کر رکھی تھیں۔

وجیہہ فاروق ۲۴/ اکتوبر ۱۹۷۴ء کو پیدا ہوئیں۔ ۱۹۷۸ء میں ان کی بڑی بہن عامرہ فاروق عرف للّی اور گورنمنٹ کالج ایبٹ آباد کے ایک لیکچرار کا جنسی اسکینڈل عام ہوا۔وجیہہ فاروق کے چچا ماسٹر عبدالوحید نے اس بدنامی کی وجہ سے عامرہ فاروق کو قتل کرنا چاہا۔اس موقع پر ہنگامہ آرائی کے دوران فائر اس کی اپنی بہن اور عامرہ فاروق کی پھوپھی مس حبیبہ کو لگ گیا اور وہ موقع پر چل بسی۔ مس حبیبہ اس وقت برن ہال اسکول ایبٹ آباد میں ٹیچر تھیں۔اس قتل کی پاداش میں ماسٹر عبدالوحید کو جیل بھیج دیا گیا۔ جہاں وہ بھی موت سے ہمکنار رہا۔

دسمبر ۲۰۲۱ء میں واجبی سا خاندانی پس منظر رکھنے والی قادیانی خاتون وجیہہ فاروق کے قتل کو میڈیا نے ''ایک ارب پتی امریکی نژاد خاتون'' کے عنوان سے رپورٹ کیا۔وجیہہ فاروق سرکاری کوارٹر سے اُٹھ کر محلات کی مالکہ کیسے بنی؟اس کی زندگی میں یہ انقلاب کیونکر برپا ہوا؟ کیا قسمت کی دیوی واقعی اس پر مہربان تھی یا پھر وہ صرف ایک مہرہ کے طور پر استعمال ہوئی اور قتل کر دی گئی؟ یہ کہانی دل دہلا دینے والی ہے۔

میڈیا رپورٹس کے مطابق وجیہہ فاروق ۱۶/ اکتوبر ۲۰۲۱ء کو امریکہ سے براستہ لندن اسلام آباد پہنچیں۔ وہاں ان کے موجودہ شوہر رضوان حبیب بنگش نے انہیں ائر پورٹ پر Receive کیا۔ مبینہ طور پر انہیں اسی روز قتل کر کے لاش لکی مروت میں دفنا دی گئی۔ ابتدائی طور پر وجیہہ فاروق کے بیٹے عبداللہ کی رپورٹ پر تھانہ مورگاہ راولپنڈی میں اس کے اغواء کا مقدمہ درج کیا گیا۔ پولیس نے اپنی تفتیش شروع کی۔ اس دوران اس کے شوہر رضوان حبیب بنگش کو بھی شامل تفتیش رکھا گیا۔ مختلف جہتوں سے تفتیشی امور مکمل ہو جانے پر ۲۲/ دسمبر ۲۰۲۱ء کو رضوان حبیب بنگش کو گرفتار کیا گیا۔گرفتاری کے بعد رضوان حبیب بنگش نے قتل کا اعتراف کرتے ہوئے لکی مروت کے تھانہ پیزو کے حدود میں پہاڑوں کے دامن میں واقع ایک گھر میں اس کی قبر کی نشاندہی کی۔ لاش راولپنڈی لائی گئی اور پوسٹ مارٹم کے بعد سرد خانے میں منتقل کر دی گئی۔ ۳۱/ دسمبر ۲۰۲۱ء کی میڈیا رپورٹس کے مطابق مقتولہ کی لاش اس کے بھائی کے سپرد کر دی گئی ہے جسے وہ امریکہ لے جانا چاہتے ہیں۔ حالانکہ وہ ایبٹ آباد یا چناب نگر کے قادیانی مرگھٹ میں اس کی تدفین کر سکتے تھے مگر قادیانی روایات کے مطابق ایک بار پھر پاکستان دشمنی کا مظاہرہ کیا گیا۔ اس موقع پر قادیانی جماعت کی طرف سے مقتولہ کے بیٹے سے یہ بیان دلوایا گیا ہے کہ چونکہ ہم پاکستان میں محفوظ نہیں ہیں اور ہم اپنی ماں کی قبر پر پاکستان میں دعا تک نہیں کر سکتے لہٰذا ہم اپنی ماں کی لاش کو امریکہ لے کر جا رہے ہیں۔ حالانکہ ۲۰۱۷ء میں ایک قادیانی خاتون کا نڑیاں ایبٹ آباد میں انتقال ہوا۔ ان کے ورثاء نے حبیب اللہ کالونی میں واقع قادیانی مرکز میں ان کی رسومات ادا کیں اور داتا ضلع مانسہرہ میں واقع قادیانی مرگھٹ میں اس کی تدفین کی گئی۔اس پر کسی

نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔ وجیہہ فاروق کے ورثاء بھی ایسا کر سکتے تھے مگران کا ایجنڈا ملک عزیز کو دنیا میں بدنام کرنا ہے۔ اسلام اور پاکستان کے خلاف سازشیں کرنا ہی ہمیشہ سے قادیانی وطیرہ ہے۔

رضوان حبیب بنگش، وجیہہ فاروق سے عمر میں تقریباً نصف تھا، جب ۲۰۱۴ء میں اس کی وجیہہ سے شادی ہوئی۔ کہا جاتا ہے کہ وجیہہ فاروق نے ایک جال بُن کر رضوان حبیب کو پھنسایا تھا۔ ربوہ ٹائمز کی رپورٹ کے مطابق وجیہہ فاروق امریکہ سے رضوان حبیب بنگش سے جائیداد کے امور نبٹانے کے لئے پاکستان آئی تھیں۔ ۲۱-۲۰۲۰ء میں رضوان حبیب بنگش اور مقتولہ کے درمیان چپقلش کے کئی معاملات عدالتوں میں بھی زیر سماعت رہے۔ ۲۱/ جون ۲۰۲۱ء کو مقتولہ نے ایک مقدمہ بعنوان ”وجیہہ فاروق بنام رضوان حبیب بنگش، فیملی جج VII ایبٹ آباد کے روبرو اپنے وکیل کے ذریعہ ایک درخواست گزاری جس میں لکھا گیا ”یہ مقدمہ عنوان میں مابین فریقین بروئے جرگہ برادری راضی نامہ ہو گیا ہے اور مابین فریقین اب کوئی نزاع باقی نہیں رہا۔ ہر دو فریقین راضی خوشی آباد ہو گئے ہیں اور من مدعیہ اب مزید کسی قسم کی دادرسی برخلاف مدعا علیہم نہیں چاہتی اور مدعیہ اپنا دعویٰ بصیغہ دستبرداری واپس کرنا چاہتی ہے۔ استدعا ہے کہ دعویٰ مدعیہ بصیغہ دست برداری برائے راضی نامہ داخل دفتر فرمایا جائے۔“ اسی روز شام پونے سات بجے تھانہ نواں شہر ایبٹ آباد میں وجیہہ فاروق نے ریپ کی ایک ایف آئی آر ایک مقامی وکیل قمر علی شاہ کے خلاف درج کروائی۔ یہ گتھیاں سلجھتے ہی سلجھیں گی۔ کیا اس قتل کی وجہ صرف میاں بیوی کی ناچاقی تھی؟ کیا اس قتل کی وجوہات میں وجیہہ کا کوئی اور آشنا بھی شامل تھا؟ یا اس قتل کی وجہ رضوان حبیب بنگش کی دولت اور جائیداد بنی؟ یہ منظر نامہ اور بھی زیادہ خوفناک اور ڈراؤنا ہے۔ ماضی کے جھروکوں میں جھانکیں تو یہ لڑیاں ایک تہہ بہ تہہ سازش کی صورت میں باہم پیوست نظر آتی ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ وجیہہ فاروق کی والدہ شفیعہ کے سلیم الدین ناظر امور عامہ چناب نگر (ربوہ) سے قدیمی اور قریبی تعلقات ہیں۔ شفیعہ اس وقت بھی جب کہ وجیہہ کا قتل ہوا، چناب نگر (ربوہ) ہی میں مقیم تھیں۔ سردیاں عموماً وہ ایبٹ آباد بلال ٹاؤن والے گھر میں نہیں بلکہ چناب نگر (ربوہ) ہی میں گزارتیں ہیں۔ وجیہہ کے دوسرے شوہر اور قاتل رضوان حبیب بنگش کے قادیانی خلیفہ مرزا مسرور احمد کے سالے محمود شاہ (ندا کیس فیم) ناظر اصلاح و ارشاد چناب نگر (ربوہ) سے وسیع کاروباری مراسم بتائے جاتے ہیں۔ جو دبئی تک پھیلے ہوئے ہیں۔ مبینہ طور پر کہا جاتا ہے کہ چناب نگر (ربوہ) میں اسلحہ کی ترسیل بھی رضوان حبیب بنگش کے ذریعہ ہوتی رہی ہے۔ قادیانی وجیہہ فاروق ایک دل پھینک خاتون واقع ہوئی تھیں۔ 21 سالہ رضوان حبیب بنگش کو اس نے شیشے میں اتار لیا۔ جب کہ اس وقت وہ ایک ارب پتی، عالمی شہرت یافتہ کارڈیالوجسٹ ڈاکٹر مہدی علی قادیانی کی منکوحہ تھیں۔

ڈاکٹر مہدی علی چوہدری چناب نگر (ربوہ) کے محلّہ دارالرحمت راجیکی روڈ، قادیانی عبادت گاہ بیت ناصر کے قریب رہتا تھا۔ ان کے والد کا نام چوہدری فرزند علی تھا اور آرائیں خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ ڈاکٹر مہدی علی ۲۵، ۳۰ سال پہلے امریکہ گئے تھے۔ وہاں کی شہرت اختیار کی۔ سرجیکل انسٹرومنٹ کا دنیا بھر میں ان کا وسیع پیمانے پر کاروبار تھا۔ وہ چناب نگر میں واقع اپنے گھر میں ایک انٹرنیشنل ہارٹ انسٹیٹیوٹ بنانا چاہتے تھے۔ جس پر وہ ملینز ڈالر خرچ کرنا چاہتے تھے۔ طاہر انسٹیٹیوٹ آف کارڈیالوجی چناب نگر (ربوہ) میں بھی انہوں نے بہت بڑی فنڈنگ کی تھی۔ قادیانی قیادت کی طرف سے انہیں فضل عمر ہسپتال ربوہ میں ایک شعبہ انٹرنیشنل ہارٹ انسٹیٹیوٹ کے نام پر بنانے کے لئے آمادہ کر لیا گیا۔ چونکہ ان کے نام میں بھی ”مہدی“ آتا تھا لہٰذا اس انسٹیٹیوٹ کا نام ”مہدی انسٹیٹیوٹ“ تجویز ہوا اور وہ ملینز ڈالر جو اس پر خرچ ہونے تھے قادیانی قیادت نے ان سے وصول کئے۔ ان کے گھر پر بھی قبضہ کر کے ”کریسنٹ اسکول“ بنا دیا گیا۔ آخری بار جب وہ مئی ۲۰۱۴ء میں پاکستان آئے تو انہیں قادیانیوں کے گیسٹ ہاؤس ”دارالضیافت“ میں قادیانی سیکورٹی حصار میں ٹھہرایا گیا۔ ۲۶/ مئی ۲۰۱۴ء کو اپنی بیوی وجیہہ فاروق، سالی اور بچوں کے ہمراہ ”بہشتی مقبرہ“ میں مدفون اپنے والدین کی قبروں پر ”حاضری“ کے لئے علی الصبح سوا پانچ بجے پہنچے۔ جہاں انہیں دو نقاب پوش افراد نے فائرنگ کر کے قتل کر دیا۔ ڈاکٹر مہدی علی کو گیارہ گولیاں لگیں۔ قبرستان میں ڈیوٹی پر موجود مسلح گن مین نے اس موقع پر کوئی مداخلت نہیں کی اور نا ہی قاتل کا تعاقب کیا گیا۔ ورثا (وجیہہ فاروق بیوی) کی طرف سے ایف آئی آر لانچ نہیں کروائی گئی۔ دنیا بھر کے قادیانیوں کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ انہیں ”بہشتی مقبرہ“ میں دفن کیا جائے۔ اس کے لئے وہ ساری زندگی قادیانی جماعت کو فنڈنگ کرتے ہیں۔ لیکن

ڈاکٹر مہدی علی نام نہاد کو بہشتی مقبرہ میں قتل ہونے کے باوجود یہاں دفن نہیں کیا گیا۔ بلکہ اس کی بیوی وجیہہ فاروق قادیانی اسے اٹھا کر بیرون ملک لے گئی۔ اس کی لاش کو کیش کرایا گیا۔ ملک عزیز پاکستان کے خلاف بین الاقوامی میڈیا پر قادیانی لابی نے ایک Campaign بپا کی۔ ''مسیحا کو قتل کر دیا گیا۔ پاکستان اقلیتوں کے لئے غیر محفوظ ملک ہے۔ بنیادی انسانی حقوق کو روند دیا گیا وغیرہم''۔ قادیانی لابی نے اس قتل کو ''مولویوں'' پر ڈالتے ہوئے قبرستان کے ایک خادم (عبدالمجید شاکر ولد بشیر احمد قوم راجپوت) جو قادیانی جماعت کا تنخواہ دار ملازم تھا سے اپنی من مرضی کی ایف آئی آر درج کروائی۔ ایف آئی آر میں درج قبرستان کے چوکیدار کا بیانیہ ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے اسے مکمل طور پر فیڈ کیا گیا ہو۔ ''یہ قتل مذہبی منافرت کی بناء پر ہوا۔ ڈاکٹر مہدی امریکن نیشنل ہیں۔ وقف عارضی پر پاکستان آئے ہوئے تھے۔'' سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا ربوہ کے قبرستان کے چوکیداروں کو ہر باہر سے آنے والے قادیانی سے متعلق ایسی معلومات فراہم کی جاتی ہیں؟ کیا قبرستان کے چوکیدار کو ہر فارنر کا Most Updated Status بھی معلوم ہوتا ہے؟ کیا قبرستان کے چوکیدار کو قاتلوں نے قتل کرتے وقت یہ بھی بتایا تھا کہ وہ یہ قتل مذہبی منافرت کی بناء پر کر رہے ہیں؟ یہ تمام باتیں اور معلومات قبرستان کے چوکیدار کے منہ میں کس نے ڈالیں؟ اس قتل کے اصل Beneficiary کون تھے؟ قادیانی کلٹ یا اس کے ورثاء (وجیہہ فاروق)؟ اس موقع پر کیوں خاموش دکھائی دیتے ہیں؟

قادیانی قیادت نے ڈاکٹر مہدی علی کے قتل سے ایک تیر سے کئی شکار کئے۔ ڈاکٹر مہدی علی سے ''مہدی انسٹیٹیوٹ'' کے نام پر حاصل کئے گئے فنڈز غصب کئے گئے۔ چناب نگر میں اس کے گھر پر قبضہ کیا۔ اس کے دیگر اثاثہ جات حاصل کرنے کے لئے اپنی ہی مہرہ وجیہہ فاروق کو آگے رکھا گیا۔ دنیا بھر میں پاکستان کو بدنام کیا گیا۔ بیرونی دنیا میں قادیانیوں کے لئے ویزے، اسائلم اور دیگر مراعات کلیم کی گئیں اور بالآخر ڈاکٹر مہدی علی قتل کیس کو بھی دبا دیا گیا۔

۲۰۱۴ء ہی میں وجیہہ فاروق نے رضوان حبیب بنگش سے شادی رچا لی۔ ایبٹ آباد کے جس گھر میں وجیہہ فاروق اپنی والدہ کے ساتھ رہائش پذیر تھیں وجیہہ کی ایک دوست اور وکیل شبنم نواز کے مطابق اس کی تزئین و آرائش پر کروڑوں روپے لاگت آئی۔ جب کے اس گھر کی قیمت ایک ارب روپے کے قریب بتائی جاتی ہے۔ اس گھر میں لاکھوں کا ایک ایک پرندہ ہے اور ایک ایک کتے کی قیمت دس دس لاکھ روپے ہے۔ وجیہہ کے ایک بیان کے مطابق یہ گھر اسے اس کی والدہ کی طرف سے تحفہ میں دیا گیا ہے۔ واضح ہو کہ ان کا خاندانی پس منظر جیسا کہ تمہیدی طور پر بیان کیا گیا ہے، ایسی شاہانہ طرز زندگی سے کبھی سرفراز نہیں رہا تھا۔ پیسے کی یہ ریل پیل ڈاکٹر مہدی علی اور رضوان حبیب بنگش کے دم قدم ہی سے وابستہ تھیں اور یہ بساط قادیانی قیادت نے اپنے مقاصد کے لئے بچھا رکھی تھی۔

وجیہہ فاروق کا اپنے شوہر رضوان حبیب بنگش کے ہاتھوں قتل اس امر کا غماز ہے کہ یہ دونوں مہرے قادیانی قیادت کے ہاتھوں پٹ گئے۔ مبینہ طور پر رضوان حبیب بنگش کے بیعت فارم پر محمود شاہ ناظر اصلاح و ارشاد چناب نگر (ربوہ) کے دستخط ہیں۔ واقفان حال یہ بھی کہتے ہیں کہ ڈاکٹر مہدی علی کے قتل میں رضوان حبیب بنگش بھی شامل تھا۔ میڈیا رپورٹس کے مطابق پنجاب پولیس نے وجیہہ فاروق کے قتل میں گرفتار رضوان حبیب بنگش کو ڈاکٹر مہدی علی کے قتل میں بھی شامل تفتیش کر لیا ہے۔ ڈاکٹر مہدی علی اور وجیہہ فاروق کے قتل کا یہ ''کھرا'' چناب نگر میں موجود قادیانی قیادت تک پہنچتا ہے۔

جیسے مادہ سانپ اپنی بھوک مٹانے کے لئے اپنے ہی بچوں کو کھا جاتی ہے مرزائیت بھی ایسے ہی حرص اور لالچ میں اپنے ہی پیروکاروں کو کھائے جا رہی ہے۔ چناب نگر (ربوہ) کے اندرون خانہ حالات میں ایسی بے شمار دردناک کہانیاں زبان زد عام ہیں۔ وہاں عام شہریوں کے ہونٹ سی دیئے گئے ہیں۔ زبانیں خاموش ہیں۔ دماغ شل ہیں۔ بنیادی انسانی حقوق سلب ہیں۔ شہری سراپا حزن و ملال ہیں۔ چناب نگر (ربوہ) کے اندر ہونے والے جرائم، گینگ ریپس، چوریوں، ڈکیتوں اور قبضہ گروپس کی زیادہ تر شکایات امور عامہ کے دفتر ہی میں درج کی جاتی ہیں اور وہیں نمٹا بھی دی جاتی ہیں۔ سر زمین ربوہ پر یہ سارے جرائم قادیانی قیادت کی منصوبہ بندی اور ان کے مفادات کے لئے کئے جاتے ہیں۔ دفتر امور عامہ میں شکایات کے ڈھیر لگے رہتے ہیں جب کہ تھانہ کی حیثیت وہاں واجبی رہتی ہے؟ کیا ریاست کے اندر ریاست کا یہ وجود بغاوت نہیں ہے؟ کیا ریاست پاکستان اس اندوہ ناک معاشرہ میں کبھی کوئی کردار ادا کر سکے گی؟ کیا اس ''اندھیر نگری چوپٹ راج'' میں قانون بھی کبھی اپنی راہ پا سکے گا؟ ☆☆

مفسر القرآن

حضرت مولانا عبدالعزیز شجاع آبادی رحمۃ اللہ علیہ

مولانا محمد اسماعیل شجاع آبادی

استاذ محترم مفسر القرآن، خطیب بے بدل مولانا عبدالعزیز شجاع آبادیؒ ۱۹۲۷ء میں بستی گلاب موضع کوٹلی عادل جلال پور پیروالا ضلع ملتان میں پیدا ہوئے۔ آپ نے چھ سال تک تلمیذ شیخ الہندؒ، ثانی سیبویہ حضرت مولانا غلام رسول پونٹویؒ کی خدمت میں رہ کر دینی علوم میں دسترس حاصل کی۔ آپ نے اپنے استاذ محترم سے شرح جامی تین مرتبہ پڑھی۔ مولانا غلام رسول پونٹویؒ جنوبی پنجاب کے بالخصوص اور ملک بھر کے علماء کرام کے استاذ الکل تھے۔ راقم کے مرشد اول حضرت اقدس مولانا محمد عبداللہ بہلویؒ، حافظ القرآن والحدیث حضرت مولانا محمد عبداللہ درخواستیؒ انہیں کے تربیت یافتہ اور تلمیذ رشید تھے۔

آپ نے اپنے استاذ محترم حضرت پونٹویؒ کی اجازت سے بستی مولویان ضلع رحیم یار خان کے کئی سو سالہ قدیمی مدرسہ میں دورۂ حدیث شریف کیا۔ جامعہ کے اس وقت مہتمم حضرت مولانا عبدالرحیمؒ تھے، حضرت مولانا یار محمد لاثانیؒ فاضل دیوبند، حضرت مولانا خیر محمد مکیؒ والد محترم مدرس حرم حضرت مولانا محمد مکی مدظلہ سے حدیث پاک کا درس لیا۔ آپ ایک منجھے ہوئے صاحب طرز خطیب تھے، جن کی خطابت کے معترف خطیب پاکستان مولانا محمد ضیاء القاسمیؒ بھی تھے۔ موصوف آپ کو جنوبی پنجاب کا ٹھنڈا میٹھا خطیب قرار دیتے تھے۔

۱۹۶۰ء میں آپ نے شجاع آباد کی غلہ منڈی (پرانی) کے علاقہ میں مدرسہ عزیز العلوم کی بنیاد رکھی۔ راقم کو کوئی سال تک استاذ محترم سے پڑھنے کی توفیق ہوئی۔

کریما، نام حق سے شرح جامی تک اکثر کتابیں استاذ محترم نے خود پڑھائیں۔ ہماری کلاس میں استاذ جی کے فرزند اکبر مولانا عبیداللہ عزیز، آپ کے برادر نسبتی مولانا رشید احمد شیخ، مولانا بشیر احمد ماڑھا مظفر گڑھ، غالباً قاری مشتاق احمد احمد پور، مولانا سیف الرحمٰن مرحوم شیخ کوٹ احمد پور شرقیہ، ملک محمد عارف آرائیں بہادر پور جلال پور پیروالا شامل تھے۔ استاذ جی صبح کی نماز کے بعد پڑھنا شروع کرتے۔ گیارہ، بارہ بجے تک پندرہ بیس اسباق پڑھا لیتے۔ آپ کی محنت و مساعی سے اللہ پاک نے عبارت صحیح پڑھنے کا ملکہ عطا فرمایا۔ آپ گرمیوں میں گیارہ بجے رات تک مطالعہ کی نگرانی فرماتے۔

جیسا کہ پہلے گزرا آپ ایک منجھے ہوئے سریلے خطیب بھی تھے۔ آپ کو تفسیر قرآن اور علم نحو پر دسترس حاصل تھی۔ آپ کے مواعظ میں زیادہ تر قرآنی آیات اور احادیث نبویہ سے استنباط ہوتا۔ کہیں کہیں اپنے ساتھ بیتے ہوئے واقعات بھی بیان فرماتے۔ آپ نے علاقہ کے مسلمانوں کے عقائد واعمال کی اصلاح کے لئے بھرپور کردار ادا کیا اور انہیں شرک و بدعات کے گھٹاٹوپ اندھیرے سے نکال کر توحید وسنت سے شناور کیا۔

ایک اہم واقعہ:

استاذ جی نے ایک تقریر میں واقعہ سنایا کہ بندبوسن ضلع خانیوال کے علاقہ میں ایک تبلیغی پروگرام میں گیا تو ساتھیوں نے کہا کہ یہاں ایک صاحب ہیں جو تفسیری نکات شاندار بیان کرتے ہیں، لیکن انہوں نے کسی عالم دین سے نہیں پڑھا۔

تو استاذ محترم نے انہیں ملنے کی خواہش کی، ملاقات میں استاذ محترم نے فرمایا کہ بعض تو اشکالات پیش کئے جو مطالعہ کے دوران درپیش آئے اور بعض سوالات امتحاناً کئے تو انہوں نے دونوں قسم کے سوالات کے مسکت جوابات ارشاد فرمائے، تو میں نے اس سے پوچھا کہ آپ نے تفسیر کس عالم دین سے پڑھی؟ تو اس نے کہا کہ کسی سے نہیں، تو میں نے کہا کہ یہ فاضلانہ جوابات؟ تو موصوف نے ایک عجیب واقعہ سنایا کہ:

”میں فوج سے ریٹائر ہوا تو اپنے علاقہ میں آ گیا اچھا خاصا گھبرو جوان تھا تو ایک عورت مجھ پر ڈورے ڈالنے لگی، لیکن اللہ پاک کے فضل وکرم سے میں اس کے ہر وار سے بچتا رہا۔ ایک رات عشاء کی نماز پڑھ کر میں گھر کی طرف آ رہا تھا تو اندھیری

رات میں وہ راستہ میں کھڑی تھی۔اس نے میرا گریبان پکڑ کر کہا کہ میرا کہا مانو ورنہ ابھی شور کر کے تجھے ذلیل ورسوا کردوں گی۔مرتا کیا نہ کرتا، اس کے ساتھ ہولیا، جہاں اس نے جگہ بنائی ہوئی تھی پہنچ کر موقع مناسب دیکھ کر میں نے چھلانگ لگائی اور بھاگ آیا، میں گھر آ کر لیٹا ہی تھا کہ خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لا رہے ہیں، میں نے اٹھ کر استقبال کیا۔ آپ علیہ السلام کے ساتھ اور صحابہ کرامؓ کے ساتھ ساتھ سیّدنا علی المرتضیٰؓ بھی تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سیّدنا علیٰ المرتضیٰؓ کو حکم دیا کہ علی! اس آدمی نے بہادری والا کام کیا ہے، لہٰذا اسے انعام کے طور پر کچھ کھلا پلا دو تو سیّدنا علی المرتضیٰؓ کے پاس ایک دسترخوان میں روٹی تھی تو انہوں نے روٹی کا ایک لقمہ میرے منہ میں ڈالا تو میری آنکھ کھل گئی اور لقمہ میرے منہ میں تھا۔باب مدینۃ العلم کے ایک لقمہ کی برکت سے اللہ پاک نے مجھے علوم تفسیر سے مالا مال کردیا۔‘‘

اگر اللہ پاک چودھویں صدی کے ایک گناہگار امتی کو سیّدنا علی المرتضیٰ کے ایک لقمہ سے قرآن پاک کا علم عطا فرماسکتے ہیں تو سیّدنا عیسیٰ علیہ السلام تو جلیل القدر نبی و رسول ہیں، انہیں نہیں عطا فرماسکتے؟ آپ سرائیکی زبان کے نامور ادیب وخطیب تھے۔اردو پر بھی مکمل دسترس رکھتے تھے۔۱۹۷۳ء تک راقم نے چھ سات سال استاذ جی کی خدمت میں رہ کر علوم کی تحصیل کی اور آپ کی اجازت سے ۱۹۷۴ء میں خیر المدارس ملتان میں داخلہ لیا۔

اصلاحی تعلق:

شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنیؒ کے ہاتھ پر بیعت ہوئے۔حضرت بہلویؒ سے تعلق رہا، لیکن اجازت شیخ التفسیر حضرت علامہ شمس الحق افغانیؒ سے ملی۔

۱۹۷۰ء کے الیکشن کے زمانہ میں آپ جمعیت علماء اسلام شجاع آباد تحصیل کے امیر رہے، اسی زمانہ میں ہمارے حضرت بہلویؒ نے الیکشن میں جمعیت علماء اسلام کے پلیٹ فارم سے ایم این اے کی سیٹ پر شجاع آباد کے حلقہ سے حصہ لیا اور ہزاروں ووٹ لئے۔استاذ محترم نے صوبائی اسمبلی میں جلال پور پیروالا کی سیٹ پر کسی ایسے امیدوار کی حمایت کی، جو جمعیت علماء اسلام کا مخالف تھا جس کی وجہ سے جمعیت میں اختلاف وانتشار ہونے لگا تو آپ نے جمعیت علماء اسلام کی امارت سے استعفیٰ دے دیا، لیکن جمعیت کی پالیسی اور قیادت کی مخالفت کبھی نہ کی۔

جمعیت اشاعت التوحید:

جماعت کے بانی ممبران میں سے تھے، جب ’’اشاعت‘‘ میں احمد سعید چتروڑگڑھی جیسے قماش کے لوگ آ گئے، جنہیں اپنی زبان و بیان پر کنٹرول نہیں رہا تو استاذ محترم نے اشاعت کے صدر سیّد عنایت اللہ شاہ بخاریؒ سے خطیب کی بدزبانی اور بدتمیزی کی گفتگو کی شکایت کی تو شاہ صاحب نے پلونہ پکڑایا اور چتروڑگڑھی کے متعلق کہنے لگے اس کی تحقیق مجھ سے بڑھ گئی۔ استاذ محترم نے فرمایا کہ جس کی زبان بے لگام سے انبیاء کرام، صحابہ کرامؓ اور اکابرین امت محفوظ نہیں۔اس کے نزدیک آپ کی کیا حیثیت ہوگی؟ لیکن شاہ صاحب اس وقت اس کی خطابت اور اندازِ خطابت کے اسیر ہو چکے تھے، انہوں نے استاذ محترم کی بات کی طرف کوئی توجہ نہ دی، تا آنکہ ایک وقت آیا کہ منہ پھٹ خطیب نے جب اپنی زبان میں کہا: ’’جس وقت تو ویندا ایں عنایت اللہ شاہ اور ضیاء اللہ شاہ کول تعویذ واسطے اللہ تعالیٰ فرمیندے پھٹے تیرا منہ سورا‘‘ یعنی جب کوئی عنایت اللہ شاہ یا ضیاء اللہ شاہ کے پاس تعویذ کے لئے جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں خنزیرا تیرا منہ بگڑے تو پھر شاہ صاحب کے حلقہ کے محمد افضل ضیاء نے ’’خس کم جہاں پاک‘‘ کے عنوان سے کتاب لکھی اور چتروڑگڑھی کو اشاعت سے نکال دیا: اب پچھتائے کیا ہوت۔ جب چڑیاں چگ گئیں کھیت۔

اشاعت سے استعفیٰ:

مفسر القرآن کے فرزند ارجمند مولانا امداد اللہ عزیز لکھتے ہیں:

’’حضرت مفسر القرآن اشاعت التوحید کے نام سے معرض وجود میں آنے والی جمعیت کے ابتدائی ارکین میں شامل تھے، لیکن بعد میں اس نام پر غاصب ہوکر اودھم مچانے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات فی القبر کی نفی کے ذریعہ پوری امت سے علیحدہ راستہ اختیار کرکے اپنی الگ شناخت بنانے والوں سے آپ کی ابتدا ہی سے نہ بن سکی اور آپ نے نہ صرف اشاعت التوحید نامی جمعیت سے استعفیٰ دے دیا، بلکہ آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات فی القبر کی اثبات میں ’’دعوت الانصاف فی حیات جامع الاوصاف‘‘ لکھی جس میں اشاعت سے مستعفی ہونے کی وجوہات پر آپ نے کھل کر

روشنی ڈالی۔

(دعوت الانصاف فی حیات جامع الاوصاف،ص:۱۵)

تصنیف وتالیف:

استاذ محترم نے قرآن پاک کی تفسیر پڑھنے پڑھانے والوں کے لئے کلید قرآن کے عنوان پر عقائد اسلام بالخصوص توحید باری تعالیٰ جو آپ کا پسندیدہ موضوع تھا، اس کتاب میں سیر حاصل بحث کی۔ ’’دعوت الانصاف فی حیات جامع الاوصاف‘‘ میں آپ نے وفات کے بعد حیات پر قلم اٹھایا اور اہل حق کے مسلک کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر مبارک میں اسی جسم عنصری کے ساتھ زندہ ہیں اور قبر مبارک کے قریب پڑھا جانے والا درود وسلام انہیں کانوں سے سنتے ہیں اور بعض خوش نصیب حضرات کو جواب بھی دیتے ہیں کو قرآن وحدیث، اقوال صحابہ اور اقوال سلف سے مبرہن کیا ہے۔

فاتحہ ولا لطاف:

میں سورۂ فاتحہ کی تفسیر میں نادر ونایاب علمی جوہر پاروں سے مزین کیا ہے۔ مسئلہ میلا دالنبی۔ سرور دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت اور اس عنوان پر پائی جانے والی رسوم وبدعات پر روشنی ڈالی ہے اور رسوم وبدعات کا رد کیا ہے۔ اور دیگر کئی ایک مسائل کو مختلف پمفلٹوں اور مضامین میں بیان فرمایا۔

اولاد:

اللہ پاک نے آپ کو بنین و بنات سے سرفراز فرمایا۔ آپ کے فرزند کبیر مولانا مفتی عبیداللہ عزیز جامعہ خیرالمدارس ملتان کے فاضل تھے۔ آپ کی طرح صاحب طرز خطیب تھے، چند سال قبل ان کا انتقال ہوا۔ مولانا حماداللہ عزیز علوم کی تکمیل تو نہ کر سکے، لیکن بڑے بھائی کے ساتھ مل کر مدرسہ کی تعمیر وترقی تعلیم وتعلم کی نگرانی کرتے رہے ہیں ان کا بائی پاس ہوا۔ ۸؍جنوری ۲۰۲۲ء کو انتقال ہوا۔ ۹؍جنوری کو ان کے برادر صغیر مولانا امداداللہ عزیز کی امامت میں نماز جنازہ ادا کی گئی۔ قاری ارشاداللہ کراچی میں قرآن پاک کی خدمت میں مصروف ہیں۔ ڈاکٹر ایجاداللہ دانتوں کے معالج ہیں۔ شجاع آباد میں مریضوں کی خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ مولانا امداداللہ عزیز اس وقت اپنے والد محترم کے جانشین ہیں۔ مدرسہ عزیزالعلوم شجاع آباد کے مہتمم ہیں۔

علالت ووفات:

آپ عرصہ دراز سے شوگر کے مریض چلے آرہے تھے۔ وفات سے تقریباً ایک سال قبل دل کا عارضہ بھی لاحق ہوگیا۔ مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی تا آنکہ وقت موعود آن پہنچا۔ ۳۰؍اکتوبر ۱۹۹۸ء کو ’’حسبی اللّٰہ لا الٰہ الا ھو علیہ توکلت وھو رب العرش الکریم‘‘ پڑھتے ہوئے روح قفس عنصری سے پرواز کرگئی۔ اگلے روز مولانا مفتی عبیداللہ کی امامت میں آپ کی نماز جنازہ ادا کی گئی، جس میں ہزاروں مسلمانوں نے شرکت کی اور انہیں مدرسہ عزیزالعلوم کے جنوب میں سپرد خاک کیا گیا۔

اللّٰھم اغفرلہ وارحمہ واعف عنہ وعافہ وبرد مضجعہ

☆☆..................☆☆

ختم نبوت وناموس رسالت قوانین پر مکمل ومؤثر عملدرآمد کروایا جائے: علماء کرام

لاہور..... عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے مرکزی سیکرٹری اطلاعات مولانا عزیز الرحمٰن ثانی، مبلغ ختم نبوت مولانا عبدالنعیم، قاری مسعود احمد، قاری محمد اقبال، مولانا ظہیر احمد قمر، مولانا عبدالشکور یوسف، مولانا مفتی محمد احسن نے جمعہ کے اجتماعات سے خطاب کرتے ہوئے کہا ہے کہ امت مسلمہ کا یعنی صحابہ کرامؓ کی مقدس جماعت کا سب سے پہلا اجماع عقیدہ ختم نبوت پر ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے آخری نبی، آخری رسول ہیں، آپ کی ختم نبوت کے بعد کسی بھی قسم کا دعویٰ نبوت کرنے والا شخص دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ امت مسلمہ کا چودہ سو سال سے متفقہ عقیدہ ختم نبوت چلا آ رہا ہے آج بھی پوری دنیا کے مسلمان عقیدہ ختم نبوت پر متحد ومتفق ہیں۔ انہوں نے کہا کہ مملکت خداداد پاکستان کی پارلیمنٹ نے منکرین ختم نبوت قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے کر اسلام کے بنیادی عقیدہ ختم نبوت کو آئینی وقانونی تحفظ فراہم کیا، لیکن ضرورت اس امر کی ہے کہ ختم نبوت و ناموس رسالت قوانین پر مکمل ومؤثر عملدرآمد کروایا جائے، کیوں کہ امتناع قادیانیت ایکٹ پر عدم عملدرآمد سے قادیانی فتنہ کی اسلام و آئین پاکستان مخالف سرگرمیاں روز بروز بڑھتی جارہی ہیں جو غیور اسلامیان پاکستان کے لئے انتہائی ناقابل برداشت ہیں۔ جمعۃ المبارک کے اجتماعات میں پاس کردہ قراردادوں میں مطالبہ کیا گیا کہ قادیانی فتنہ کو آئین وقانون کا پابند بنایا جائے اور ان کی ناپاک ارتدادی سرگرمیوں کو روکا جائے کیوں کہ عقیدہ ختم نبوت وناموس رسالت کا تحفظ اور فتنہ قادیانیت کا تدارک دینی وآئینی تقاضا ہے جب کہ ان قوانین پر عمل درآمد کروانا حکومت کا فرض منصبی ہے۔

تحفظ ختم نبوت کانفرنس، مانگامنڈی لاہور

رپورٹ: مولانا عبدالنعیم، لاہور

لاہور..... عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت مانگا منڈی لاہور کے زیر اہتمام تحفظ ختم نبوت کانفرنس جامعہ فاروقیہ محبّ اسٹاپ مانگا رائے ونڈ روڈ لاہور میں جامعہ فاروقیہ کے مہتمم مولانا براء حسن خان کی نگرانی میں منعقد ہوئی۔ کانفرنس میں عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت لاہور کے امیر ولی کامل شیخ الحدیث مولانا مفتی محمد حسن، مولانا عزیز الرحمٰن ثانی، مولانا عبدالنعیم، مولانا عبدالعزیز، قاری سید انوارالحسن شاہ بخاری، مولانا محمد آصف رشیدی، حافظ عمر فاروق، مولانا پیر کلیم اللہ جمیل، مولانا محمد حسین، مولانا عبدالرحیم، قاری عبدالمجید، قاری محمد نعیم، مولانا قاری عبدالرحمٰن، مولانا محمد ارشد، مولانا مفتی ابوبکر صدیق، مولانا محمد اقبال، مولانا عابد ارشاد، مولانا عبدالواجد، مولانا قاری زاہد قصوری، قاری عبدالعلیم ربانی، قاری عبدالحلیم یزدانی، قاری عبداللطیف، قاری عتیق الرحمٰن رحیمی، مولانا امداداللہ ڈوگر، مولانا محمد صدیق، مولانا مسرور حسن، قاری عبدالشکور، مولانا یاسر حنیف، مولانا راشد حنفی، قاری محمد حنیف، مولانا فقیر حسین، قاری محمد سرور، مولانا قاری حبیب اللہ شاہ، مولانا نوفل ربانی، مولانا مشتاق، مولانا محسن عالم، مولانا کاشف، مولانا عبداللہ، مولانا عبیداللہ، قاری عاصم، مولانا نذیر اللہ خاکسار، قاری محبّ الرحمٰن، مولانا فاروق، مولانا حاجی صفدر، مولانا ارسلان اور قاری عبدالرشید سمیت متعدد دینی و مذہبی رہنماؤں نے شرکت اور خطابات کئے۔ مقررین نے کہا کہ قادیانی اسلام اور ملک دونوں کے غدار ہیں رہتی دنیا تک ختم نبوت کا دفاع ہر قیمت پر کیا جائے گا۔ مفتی محمد حسن نے کہا کہ تمام بدنی، زبانی و مالی عبادات اور اسلامی احکامات ختم نبوت کی بدولت میسر آئے ہیں، حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرنے والوں کا اسلام اور مسلمانوں سے کوئی تعلق نہیں۔ کسی دور میں بھی مسلمانوں نے مخبر صادق کے بعد نبوت کے جھوٹے دعویداروں کو برداشت نہیں کیا۔ حکومتی راہ داریوں میں گستاخان رسول اور اسلام و ملک دشمن سہولت کار موجود ہیں جو کہ علماء کرام کی کردارکشی کرکے حکومتی حساس اداروں کو مساجد و مدارس کے خلاف اکساتے رہتے ہیں۔ مولانا عزیز الرحمٰن ثانی نے کہا کہ ختم نبوت کے تبلیغی پروگراموں کا مقصد دفاع ختم نبوت اور دفاع ناموس رسالت کے مقدس فریضہ کو فروغ دینا اور اس کی جدوجہد کو جلا بخشنا ہے، حضرت ابوبکر صدیقؓ کی طرح منکرین ختم نبوت کو جڑ سے اکھاڑنے کے لئے اپنی تمام تر صلاحیتوں کو بروئے کار لایا جائے۔ ہماری نوجوان نسل ملٹی میڈیا، سوشل میڈیا اور پرنٹ میڈیا جیسے مورچوں کو تحفظ ختم نبوت اور اسلامی اقدار و روایات کو فروغ دینے کے لئے استعمال کرے۔ ختم نبوت دفاع کے لئے ہمارے اکابرین وعوام نے جو قربانیاں دی ہیں۔ وہ تاریخ کے ماتھے کا جھومر ہیں۔ پارلیمنٹ کی سطح پر علماء کرام کی جدوجہد پر قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا گیا۔ قادیانی گروہ نے آج تک پارلیمنٹ کے فیصلے اور اعلیٰ عدلیہ کے فیصلوں کو تسلیم نہ کرکے بغاوت پر مبنی موقف اپنایا ہوا ہے۔ مولانا عبدالنعیم نے کہا کہ ہم زندگی کے آخری سانس تک تحفظ ختم نبوت کا فریضہ انجام دیتے رہیں گے۔ اس پُر آشوب دور میں فتنوں سے بچنے کے لئے اکابرین کی مجالس، مساجد و مدارس اور صلحاء امت سے تعلق قائم رکھنا ہوگا۔ ہمارے نوجوان آج بھی اپنے اکابرین کی طرح حرمت رسول اور دفاع ختم نبوت کے لئے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کرنے کے لئے تیار ہیں۔ ہماری جوان نسل کا رگ و ریشہ عشق رسالت سے سرشار اور معطر ہے۔ ہم ہر فلور پر ناموس رسالت کے قوانین اور قادیانیت کے متعلق آئینی شقوں کو ختم کرنے کی سازشوں کا مردانہ وار مقابلہ کریں گے۔ مولانا عبدالعزیز نے کہا کہ صحابہ کرامؓ سب سے پہلے محافظین ختم نبوت اور قدوسیوں کی جماعت ہے۔ دفاع ختم نبوت اور دفاع صحابہ لازم وملزوم ہے۔ قادیانیت کا کفر دیگر غیر مسلموں کی طرح نہیں بلکہ ان کے کفریہ عقائد ارتداد و زندقہ کے زمرہ میں آتے ہیں اس لئے تمام مسلمان قادیانیوں کی مصنوعات کا ہر سطح پر بائیکاٹ کریں۔ موجودہ حکمران اور قادیانیت نواز لابیاں سن لیں کہ قانون انسداد توہین رسالت اور قوانین ختم نبوت کو چھیڑنا آگ و خون سے کھیلنے کے مترادف ہے۔ اسلامی اقدار، اسلامی شعائر اور قوانین تحفظ ناموس رسالت کا ہر قیمت پر تحفظ کیا جائے گا۔

2 مارچ 2022 بروز بدھ
بعد نماز عصر ان شاء اللہ
پریس کلب روڈ نواب شاہ
بمقام
عظیم الشان
سالانہ
فقید المثال
تاریخ ساز
تحفظ ختم نبوۃ کانفرنس
مہمان خصوصی
قائد ملت اسلامیہ
جبل استقامت، محسن مدارس دینیہ، ترجمان اسلام، داعی انقلاب اسلامی
سالار قافلہ حریت
امام انقلاب
قائد جمعیت حضرۃ مولانا
فضل الرحمن صاحب مدظلہ
امیر جمعیت علماء اسلام پاکستان
زیر صدارت
عبدالقیوم
سراج احمد
عبدالمجیب قریشی
میر محمد
زیر سرپرستی
محمد ناصر الدین خاکوانی
عزیز احمد
محمد سلیمان یوسف
محمد اعجاز مصطفیٰ
عبدالرشید
اللہ وسایا
عبدالجبار
حفیظ الرحمن
ذوالفقار احمد
محمد سلیم
امداد اللہ
عبدالقیوم
ضیاء اللہ شاہ بخاری
لیاقت بلوچ
راشد خالد محمود سومرو
محمد ادریس سومرو
محمد حسین ناصر
محمد راشد مدنی
عبدالغفور
عبدالرحمن
محمد سارنگ
احسان احمد
قاضی احمد نورانی
عزیز الرحمن ثانی
مختار احمد
حماد اللہ
حبیب اللہ نعمانی
امداد اللہ
محمد انیس
تجمل حسین
عبدالرزاق
محمد وقاص
ابرار شریف
محمد حنیف
عبداللہ
ظفر اللہ
0302-6961841
0301-2675316
نواب شاہ
عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت
0300-3773657
عروج گرافکس سینٹر نواب شاہ